وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

تاریخ
شوال/جولائی
۱۴۴۷ھ

شمارہ نمبر ۳۵

# مجلّہ الاجماع

فہرستِ مضامین



Al Ijma
FOUNDATION

ناشر

الاجماع فاونڈیشن، الہند

# فہرست مضامین



**نوٹ:**

حضرات! ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں کتابت (ٹائپنگ) کی کوئی غلطی نہ ہو، مگر بشریت کے تحت کوئی غلطی ہو جانا امکان سے باہر نہیں۔ اس لئے آنحضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ کتابت کی کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اسے دامن عفو میں چھپانے کے بجائے ادارہ کو مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔ جزاکم اللہ خیراً

# الروض الشهود

# في

# تقديم الركبتين عند السجود

[والردّ على الألباني والحويني ومقبل الوداعی بالبرهان المسدود]

[سجدے میں جاتے وقت،
پہلے ''گھٹنا'' اور پھر ہاتھ رکھنا سنت ہے]،
[قسط''۳''] 

از
مفتی عاصف بن اسماعیل المدنی، مولانا محمد نذیر الدین قاسمی،
ڈاکٹر ابو محمد، شہاب علوی، مولانا فیصل کریم صاحب،

حامداو مصلیا، امابعد!

## [ حدیثِ شریک، پر مزید کچھ ائمہ کے اعتراضات اوران کے جوابات ]

اس حدیث کے بارے میں، شیخ عبدالرحمٰن الزاوی صاحب کہتے ہیں کہ

**ومن الاحاديث التي أنكرها الائمة هذا الحديث الذي نحن بصدده، فقد انكره النسائي والترمذي والبيهقي والدار قطني على شريك مع ان الراوي عنه يزيد بن هارون ممن نص على سماعه منه قبل الاختلاط ،وكذلك ممن سمع منه من كتابه، فهذا يدل على عدم التفريق في حال شريك من حيث التصحيح والتضعيف۔**

اوران ہی منکرا حادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جس کے بارے میں یہاں بات ہورہی ہے۔اس پر بھی ائمہ (حدیث) نے شریک کوتنقید کا نشانہ بنایا ہے، مثلاً: نسائی، ترمذی، بیہقی اوردارقطنی نے، حالانکہ اس حدیث کوشریک سے روایت کرنے والا یزید بن ہارون ہے، اور یہ ان میں سے ہے جنہوں نے شریک سے اس کے اختلاط (خلط وضعف) سے پہلے سنا، نیز وہ ان میں سے ہے جنہوں نے شریک کی کتاب سے سماع کیا۔تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریک کے معاملے میں تصحیح وتضعیف کے لحاظ سے (صرف) سماع کے وقت کو بنیاد، بنا کرفرق نہیں کیا گیا۔(**فتح الودود فی کیفیۃ الھوی الی السجود: ص ۱۴**)،

**ائمہ کے اقوال کا دراسہ:**

یہاں محترم نے اس حدیث کے منکر ہونے کے سلسلے میں ''۴'' ائمہ حدیث کا نام لیا۔

- امام ترمذیؒ (م۲۷۹ھ) نے، اس حدیث کے بارے میں کہا: ''**هذا حديث حسن غريب، لا نعرف أحدا رواه غير شريك**''۔(**سنن الترمذی: حدیث نمبر ۲۶۸**)، امام ترمذیؒ کا شریکؒ کے تفرد کے ساتھ، ان کی اس حدیث کوحسن غریب کہنا، اس بات پر دال ہے کہ ان کے نزدیک، شریکؒ کا تفرد مضر نہیں ہے، لہذا یہ حوالہ موصوف کے کچھ کام کا نہیں ہے۔

- امام نسائیؒ (م۳۰۳ھ) نے کہا: ''**لم يقل هذا عن شريك غير يزيد بن هارون**''۔

یزید بن ہارون کے علاوہ، کسی نے اس روایت کوشریکؒ سے نقل نہیں کیا۔(**السنن المجتبی للنسائی: حدیث نمبر ۱۱۵۴**)،

غور فرمائیں! یہ عبارت، شریکؒ کے تفرد کے بجائے، یزید بن ہارونؒ کے تفرد پر دلالت کرتی ہے، جو کہ یہاں مضر نہیں، کیونکہ یزیدؒ (م۲۰۶ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، حافظ، متقن ہیں، کما مر، لہذا یہ عبارت، عاصم بن کلیبؒ سے مروی روایت، میں تفردِ شریک کے متعلق نہیں ہے۔

باقی امام ابوالحسن الدارقطنیؒ (م۳۸۵ھ) نے کہا: ''تفرد به يزيد, عن شريك, ولم يحدث به عن عاصم بن كليب غير شريك, وشريك ليس بالقوي فيما يتفرد به والله أعلم''۔(**سنن الدارقطنی: ج ۲: ص ۱۵۰، حدیث نمبر ۱۳۰۷**)، اور امام ابوبکر البیہقیؒ (م۴۵۸ھ) نے بھی کہا: ''هذا حديث يعد في أفراد شريك القاضي''۔(**السنن الکبری للبیہقی: ج ۲: ص ۱۴۲، نیز دیکھئے معرفۃ السنن الآثار: ج ۳: ص ۱۷**)،

بہر حال اس مختصر دراسہ سے معلوم ہوا کہ صرف امام دارقطنی، امام بیہقیؒ کی عبارت، شریکؒ کے تفرد اور ان کے منکر [بمعنی مفرد] ہونے پر صریح ہے، باقی دونوں ائمہ یعنی امام ترمذیؒ اور امام نسائی کی عبارت میں شریکؒ کی روایت کے منکر کی تصریح نہیں ہے، لہذا ان کے حوالے سے، موصوف کا اس روایت کو منکر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

<u>امام ابوالحسن الدارقطنیؒ (م۳۸۵ھ) اور امام ابوبکر البیہقیؒ (م۴۵۸ھ) کی جرح کا جواب:</u>

جہاں تک بات ہے عاصم بن کلیب سے یہ متصل روایت کرنے میں شریکؒ کے تفرد کی، تو

**اولا** جواب یہ ہے کہ شریک بن عبداللہ النخعیؒ (م۱۷۸ھ) سے یہ روایت، ان کے شاگرد، امام، حافظ یزید بن ہارون الواسطیؒ (م۲۰۶ھ) نے ''واسط'' میں شریکؒ سے، ان کے قاضی بننے سے پہلے، ان کی کتاب سے لی ہے۔

اور بتصریح ائمہ، جن حضرات نے شریکؒ سے، ان کے قاضی بننے سے پہلے، ان کی کتاب سے روایات لکھی ہے، ان کی روایت صحیح ہے، کیونکہ شریکؒ، قاضی بننے سے پہلے ثقہ، بلکہ بقول ابن حجرؒ کے، ثبت تھے، اور ان میں ضعف، ان کے قاضی بننے کے بعد آیا تھا، جس کی تفصیل گزر چکی، لہذا بقول ان ائمہ کے، اگر عاصم بن کلیبؒ سے، یہ متصل روایت کو نقل کرنے میں شریکؒ منفرد بھی ہو، تو تب بھی کوئی ضعف کی بات نہیں ہے، کیونکہ شریکؒ، یہاں ثقہ ہیں اور ثقہ کا تفرد، موجبِ ضعف نہیں ہوتا۔

**دوم** عاصم بن کلیبؒ سے، یہ روایت متصل کو نقل کرنے میں شریکؒ منفرد بھی نہیں ہے، کیونکہ ان کے متابع ثقہ، ثبت،

حجت، حافظ، امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) موجود ہیں، چنانچہ

**متابع نمبر "۱":**

صدوق، محدث، قاضی عمر بن الحسن الاشنانیؒ (م ۳۳۹ھ) نے کہا:

**(عن) سعيد بن إسرائيل (عن) علي ابن حجر (عن) الفضل بن موسى السيناني (عن) أبي حنيفة رضي الله عنه (عن) عاصم بن كليب (عن) أبيه (عن) وائل بن حجر رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وآله وسلم إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه وإذا قام رفع يديه قبل ركبتيه۔**

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ، سجدہ کرتے تو (زمین پر) سب سے پہلے، اپنے دونوں گھٹنے رکھتے اور پھر دونوں ہاتھ، اور جب سجدے سے کھڑے ہوتے، تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے اور بعد میں دونوں گھٹنے۔ (**مسند الامام ابی حنیفۃ للاشنانی** بحوالہ جامع المسانید للخوارزمی: ج ۱: ص ۴۱۳)،

**سند کی تحقیق:**

(۱) قاضی عمر بن الحسن الاشنانیؒ (م ۳۳۹ھ) مشہور صدوق، حافظ الحدیث ہیں۔ (**دیکھئے ص ۱۸**)،

(۲) سعید بن اسرائیل بن عثمان القطیعی البغدادیؒ (م ۲۸۸ھ) سے ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے روایت لی ہے۔ (**ارشاد القاضی الدانی: ص ۳۱۸، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ج ۱: ص ۳۱۳**)، جن میں حافظ ابوجعفر العقیلیؒ (م ۳۲۲ھ)، امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ)، حافظ رامہرمزیؒ (م ۳۶۰ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

اور شیوخ الطبرانی، جن کا ذکر میزان میں نہیں ہے، وہ ثقہ یا کم از کم صدوق ہیں، چنانچہ حافظ نور الدین الہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) نے کہا: "**ومن كان من مشايخ الطبراني في الميزان نبهت على ضعفه، ومن لم يكن في الميزان ألحقته بالثقات الذين بعده، والصحابة لا يشترط فيهم أن يخرج لهم أهل الصحيح؛ فإنهم عدول، وكذلك شيوخ الطبراني الذين ليسوا في الميزان**"۔ (**مجمع الزوائد: ج ۱: ص ۸**)،

اور سعید بن اسرائیلؒ، کا ترجمہ، میزان الاعتدال میں نہیں ہے، لہٰذا وہ ثقہ یا کم از کم صدوق ہیں۔

(۳) علی بن حجر بن ایاس السعدیؒ (م ۲۴۴ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۴۷۰۰**)،

(۴) الفضل بن موسی السینانیؒ (م ۱۹۲ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، ثبت ہیں۔ (**تقریب: رقم ۵۴۱۹**)،

(٥)　　امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفیؒ (م ١٥٠ھ) مشہور ثقہ، حافظ، حجت، امام ہیں۔ (**مجلہ الاجماع: ش ٢٣: ص ١٤**)،

(٦)　　عاصم بن کلیبؒ (م ١٣٩ھ)، اور

(٧)　　کلیب بن شہابؒ کی توثیق گزر چکی۔ (دیکھئے **مجلہ الاجماع: ش ٣٣: ص ٧**)،

(٨)　　وائل بن حجر الحضرمیؓ (م **قبل ٦٠ھ**) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ (**تقریب**)،

**حکم:**

اس سند کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں، اور سند حسن ہے، نیز معلوم ہوا کہ شریکؒ (م ١٧٨ھ)، عاصم بن کلیبؒ (م ١٣٩ھ) سے، اس روایت کو متصل نقل کرنے میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ ثقہ، حافظ، امام ابوحنیفہؒ (م ١٥٠ھ)، ان کے متابع میں موجود ہیں، اور محدث عصرہ، امام محمد عابد السندیؒ (م ١٢٥٧ھ) نے بھی کہا:

**''قد علمت ان الامام الأعظم قد شارك شريكا في رواية هذا الحديث عن عاصم بن كليب، و كفاه به اعتضادا''۔**

تم جان چکے ہو کہ امامِ اعظمؒ نے اس حدیث کو عاصم بن کلیب سے روایت کرنے میں شریکؒ کی متابعات کی ہے، اور اسی سے اس حدیث کی تقویت کے لیے کافی اعتضاد (سہارا) مل گیا۔ (**المواہب اللطیفۃ: ج ٢: ص ٣٩٩**، ت الندوی)،

نیز امام ابوحنیفہؒ (م ١٥٠ھ) سے ہی مروی، اس روایت کی اور سند بھی موجود ہے، چنانچہ

**متابع نمبر ''٢'':**

صدوق، حافظ، امام ابو محمد الحارثیؒ (م ٣٤٠ھ) نے کہا:

**كتب إلي صالح بن أبي رميح، حدثنا محمد ابن أحمد بن السكن أبو بكر، حدثنا هوذة بن خليفة، حدثنا النعمان بن ثابت، عن عاصم بن كليب، عن أبيه، عن وائل بن حجر قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه، وإذا قام رفع يديه قبل ركبتيه۔**

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ، سجدہ کرتے، تو (زمین پر) سب سے پہلے، اپنے دونوں گھٹنے رکھتے اور پھر دونوں ہاتھ، اور جب سجدے سے کھڑے ہوتے، تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے اور بعد میں

دونوں گھٹنے۔(**مسند الامام ابی حنیفۃ للحارثی: ج ۲: ص ۸۴۱، حدیث نمبر ۱۴۹۵**)،

**<u>سند کی تحقیق:</u>**

(۱) امام ابو محمد، عبداللہ بن یعقوب الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) مشہور صدوق، حافظ الحدیث ہیں۔(**دیکھئے ص ۳۲**)،

(۲) ابو محمد، صالح بن محمد بن رمیح الترمذیؒ (م بعد ۲۹۴ھ) سے ائمہ حدیث کی ایک جماعت مثلاً حافظ احمد بن محمد بن رمیح ،ابو سعید النخعیؒ (م ۳۵۷ھ)، احمد بن ابراہیم بن محمد، ابو حامد البغولنی النیسابوریؒ (م ۳۸۳ھ)، ابراہیم بن لقمان، ابواسحاق النسفیؒ (م ۳۴۷ھ)، حافظ ابراہیم بن محمد المستملیؒ (م ۳۷۶ھ)، محمد بن عمران بن موسی، ابوعبیداللہ المرزبانیؒ (م ۳۸۴ھ)، وغیرہ نے روایت لی ہے۔(**قوارع القرآن و ما یستحب أن لا یُخل بقراءته كل يوم وليلة للجوری: ص ۱۶۰، مجلس لابی عبدالرحمٰن السلمی، دلائل النبوۃ للمستغفری: ج ۲: ص ۱۵۷، تاریخ بغداد: ج ۳: ص ۷۴۳، الارشاد للخلیلی: ج ۳: ص ۹۲۸، القند فی ذکر علماء سمرقند: ص ۲۱۰-۲۱۱، ۲۵۷**)،

اور امام ابوالحسن الدارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) نے ''لا شيء'' کہا۔(**لسان المیزان: ج ۴: ص ۲۸۵**)، مگر جرح مفسر نہ ہونے کی وجہ سے، یہ متابع میں مقبول ہونگے، انشاء اللہ۔

یہاں صدوق راوی، سعید بن اسرائیلؒ، ان کے متابع میں موجود ہیں، یہاں اس روایت کے تحت، ان پر جرح مرجوح ہے۔

(۳) محمد بن احمد بن السکن، ابوبکر القطیعیؒ (م ۲۶۸ھ) صدوق ہیں۔(**تاریخ الاسلام: ج ٦: ص ۳۹۱**)،

(۴) ہوذۃ بن خلیفۃ الثقفیؒ (م ۲۱٦ھ) سنن ابن ماجہ کے راوی اور صدوق، حسن الحدیث ہیں۔(**تقریب: رقم ۷۳۲۷**)،

(۵) امام ابوحنیفۃ، نعمان بن ثابت الکوفیؒ (م ۱۵۰ھ)،

(٦) عاصم بن کلیبؒ (م ۱۳۹ھ)، اور

(۷) کلیب بن شہابؒ کی توثیق گزر چکی۔(**دیکھئے: ص ٦**)،

(۸) وائل بن حجر الحضرمیؓ (م قبل ٦۰ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔(**تقریب**)،

**حکم:**

اس سند کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں، سوائے ابومحمد، صالح بن محمد بن رمیح الترمذیؒ (م بعد ٢٩٤ھ) کے اور وہ بھی متابع میں مقبول ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔ لہذا متابع کی وجہ سے، یہ سند حسن ہے اور قاضی اشنانیؒ (م ٣٣٩ھ) کی سند بھی، متابع کی وجہ اور بھی قوی ہوگئی، والحمد للہ۔

**حدیث نمبر "٢":**

امام ابوداود السجستانیؒ (م ٢٧٥ھ) نے کہا:

**حدثنا محمد بن معمر، حدثنا حجاج بن منهال، حدثنا همام، حدثنا محمد بن جحادة، عن عبد الجبار بن وائل، عن أبيه، أن النبي صلى الله عليه وسلم، فذكر حديث الصلاة، قال: فلما سجد وقعتا ركبتاه إلى الأرض قبل أن تقع كفاه۔**

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا، تو آپ ﷺ نے دونوں گھٹنے کو، دونوں ہاتوں سے پہلے زمین پر رکھا۔ (**سنن ابی داود: حدیث نمبر ٨٣٩**)،

**سند کی تحقیق:**

(١) امام ابوداود السجستانیؒ (م ٢٧٥ھ) کا تعارف گزر چکا۔

(٢) محمد بن معمر بن ربعی القیسیؒ (م بعد ٢٥٠ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تحریر تقریب التہذیب: رقم ٦٣١٣**)،

(٣) حجاج بن منہال الانماطیؒ (م ٢١٧ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، فاضل ہیں۔ (**تقریب: رقم ١١٣٧**)،

(٤) ہمام بن یحیی البصریؒ (م ١٦٥ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تحریر تقریب التہذیب: رقم ٧٣١٩**)،

(٥) محمد بن جحادۃؒ (م ١٣١ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ٥٧٨١**)،

(٦) عبد الجبار بن وائل بن حجرؒ (م ١١٢ھ) صحیح مسلم و سنن اربع کے راوی اور ثقہ ہیں، مگر وہ اپنے والد سے مرسل روایات بیان کرتے تھے۔ (**تقریب: رقم ٣٧٤٤**)،

**نوٹ:**

عبدالجبار بن وائلؒ (م ۱۱۲ھ) کے بارے میں امام ابن معینؒ البغدادیؒ (م ۲۳۳ھ) نے کہا: ''عبد الجبار بن وائل بن حجر، ثبت، ولم يسمع من أبيه شيئا، إنما كان يحدث عن أهل بيته عن أبيه''۔ (**تاریخ ابن معین بروایت الددوری: رقم ۴۴**)،

اور عبدالوارث بن سعیدؒ (م ۱۸۰ھ) اور حافظ ہمامؒ (م ۱۶۵ھ) کی روایت میں ان کے اہل بیت یعنی علقمہ بن وائل کا واسطہ موجود ہے، چنانچہ عبدالجبار بن وائل بن حجرؒ (م ۱۱۲ھ) نے کہا: كنت غلاما لا أعقل صلاة أبي، فحدثني علقمة بن وائل، عن أبي وائل بن حجر قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم۔۔۔۔۔ (**المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۲۲: ص ۲۸، واللفظ لہ، صحیح ابن خزیمہ: حدیث نمبر ۹۰۵، ۹۰۶**)،

لہذا ابن معینؒ کے قول اور عبدالوارثؒ (م ۱۸۰ھ) وحافظ ہمامؒ (م ۱۶۵ھ) کے طریق کی وجہ سے، زیر بحث روایت کے سلسلے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ عبدالجبارؒ نے یہ روایت اپنے بھائی علقمہ سے سنی ہے، یعنی یہ روایت حکماً متصل ہے، واللہ اعلم۔

یہی بات محدث محمد یوسف صاحب البنوریؒ (م ۱۳۹۷ھ) نے بھی کہی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا: ''ان رواية عبد الجبار عن أبيه الظاهر أنه بواسطة أخيه علقمة كما يدل عليه رواية أبى داود فى رفع اليدين فمثل أنه الانقطاع فى حل الاتصال، والله اعلم''۔

عبدالجبار کی اپنے والد سے روایت بظاہر اپنے بھائی علقمہ کے واسطے سے ہے، جیسا کہ امام ابوداودؒ کی رفع الیدین والی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو یہ ایسا انقطاع ہے جو بظاہر اتصال کی شکل میں آ گیا ہے، واللہ اعلم۔ (**معارف السنن: ج ۳: ص ۲۷-۲۸**)،

لہذا اب یہاں ''عبد الجبار بن وائل، عن أبيه'' کی سند پر اعتراض فضول ہوگا۔

(۷)　وائل بن حجر الحضرمیؓ (م قبل ۶۰ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ (**تقریب**)،

**حکم:**

اس روایت کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں اور یہ روایت حکماً متصل ہے، اس سے شریکؒ کی طریق کو مزید

تقویت ملتی ہے، چنانچہ

- مشہور محدث وفقیہ، ابن حجر الہیتمیؒ (م ۹۷۴ھ) نے کہا: کہ

"علی أن له طریقین آخرین فیجبرهما"۔

نیز اس حدیثِ وائل کی "۲" اور سندیں بھی موجود ہیں جو اس کی [مزید] تقویت کا سبب ہیں۔(**مرقاۃ: ج ۲: ص ۷۲۵**)،

- محدث محمد بن علی النیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) نے کہا:

**"فالحدیث لا ینحط عن درجة الحسن"۔**

یہ حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔(**آثار السنن: ص ۱۷۱**)،

- مشہور مبلغ الاسلام، محدث، محمد یوسف بن الیاس الکاندھلویؒ (م ۱۳۸۴ھ) نے کہا:

**"فلو تقادما لقدم حدیث وائل بن حجر من اجل شواهده فکیف و حدیث وائل اقوی کما تقدم۔**

"تو اگر دونوں حدیثیں (یعنی وائل اور ابو ہریرہ کی) صحت کے لحاظ سے برابر بھی ہوتیں، تب بھی حضرت وائل بن حجر کی حدیث کو اس کے متابع وشواہد کی وجہ سے ترجیح دی جاتی، لیکن یہاں خود حضرت وائل کی حدیث (سند و متن کے لحاظ سے) زیادہ قوی ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا۔(**امانی الاحبار: ج ۴: ص ۶۶-۶۷، طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان**)،

- امام ظفر احمد التھانوی العثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ) نے کہا:

**"وإن کان روایة همام عن محمد بن جحادة، عن عبد الجبار بن وائل، عن أبیه منقطع لکون عبد الجبار لم یسمع من أبیه۔۔ ولکن الانقطاع وکذا الإرسال لا یضر عندنا في الاحتجاج"۔**

اگرچہ ہُمامؒ کی روایت، محمد بن جُحادہؒ سے، اور وہ عبد الجبار بن وائلؒ سے، اور وہ اپنے والد وائلؓ سے بیان کرے منقطع ہے، کیونکہ عبد الجبارؒ نے اپنے والد سے کچھ نہیں سنا۔۔۔۔لیکن ہمارے نزدیک، یہ انقطاع اور اسی طرح ارسال، مضر نہیں ہے۔(**اعلاء السنن: ج ۲: ص ۷۹۶**)،

- محدث محمد یوسف بن محمد زکریا البنوریؒ (م ۱۳۹۷ھ) نے کہا:

**"روایة همام عن [ابن] جحادة عن عبد الجبار بن وائل عن أبیه موصولاً مع انقطاع فیه لعدم سماع**

**عبد الجبار عن أبيه، و لا يضر لتقويته بذلك المرسل، و له شواهد تأتي، علا ان رواية عبد الجبار عن أبيه الظاهر أنه بواسطة أخيه علقمة كما يدل عليه رواية أبي داود في رفع اليدين فمثل أنه الانقطاع في حل الاتصال، والله اعلم''۔**

ہمام کی روایت ابن جُحادۃ سے، اور وہ عبد الجبار بن وائل سے، اور وہ اپنے والد (وائل) سے روایت کرتے ہیں، یہ روایت بظاہر متصل ہے، حالانکہ اس میں انقطاع ہے کیونکہ عبد الجبار نے اپنے والد سے سماع نہیں کیا۔ لیکن یہ نقصان دہ نہیں، کیونکہ اسے اُس مرسل روایت سے تقویت حاصل ہے۔ اور اس (روایت) کے شواہد آگے آئیں گے۔ علاوہ ازیں، عبد الجبار کی اپنے والد سے روایت بظاہر اپنے بھائی علقمہ کے واسطے سے ہے، جیسا کہ امام ابوداود کی رفع الیدین والی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو یہ ایسا انقطاع ہے جو بظاہر اتصال کی شکل میں آ گیا ہے، واللہ اعلم۔ **(معارف السنن: ج ۳: ص ۲۷-۲۸)**،

لہذا عبد الجبار بن وائل کا یہ طریق، بذاتِ خود احتجاج کے لئے کافی ہے اور اس کی وجہ سے، شریک کا طریق، اور بھی مضبوط اور قوی ہو گیا۔

<u>حدیث نمبر ''۳'':</u>

امام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے کہا:

**فحدثنا [أبو] العباس [محمد بن يعقوب، ثنا العباس] بن محمد الدوري، ثنا العلاء بن إسماعيل العطار، ثنا حفص بن غياث، عن عاصم الأحول، عن أنس، قال: "رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كبر فحاذى بإبهاميه أذنيه ثم ركع حتى استقر كل مفصل منه، و انحط بالتكبير حتى سبقت ركبتاه يديه"۔**

**هذا إسناد صحيح على شرط الشيخين، و لا أعرف له علة و لم يخرجاه۔**

**قال الذهبي: على شرطهما و لا أعرف له علة۔**

حضرت انسؓ نے کہا: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے (نماز میں) تکبیر کہی اور اپنی دونوں انگلیوں کے انگوٹھوں کو اپنے کانوں کے برابر کیا، پھر رکوع میں گئے یہاں تک کہ آپ کے تمام جوڑ ٹھیک طرح سے اپنی جگہ جم گئے، پھر (رکوع میں جاتے وقت) تکبیر کہتے ہوئے جھکے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے گھٹنے، ہاتھوں سے پہلے زمین پر پہنچے۔

(المستدرک للحاکم: ج ۱: ص ۷۳۳، حدیث نمبر ۸۲۵، ت مقبل)،

سند کی تحقیق:

(۱)　امام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) مشہور ثقہ، ثبت، شیخ المحدثین ہیں۔(الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم: ج ۱: ص ۹۸)،

(۲)　ابوالعباس، محمد بن یعقوب بن یوسف الاصم النیسابوریؒ (م ۳۴۶ھ) بھی ثقہ، ثبت، حافظ ہیں۔(الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم: ج ۲: ص ۱۲۷۰)،

(۳)　حافظ العباس بن محمد الدوریؒ (م ۲۷۱ھ) سنن اربع کے راوی اور مشہور ثقہ، متقن، امام ہیں۔(تقریب: رقم ۳۱۸۹، فتح الباری: ج ۹: ص ۳۱۹)

(۴)　ابوالحسن، العلاء بن اسماعیل العطار سے ائمہ حدیث کی ایک جماعت مثلاً حافظ عباس بن محمد الدوریؒ (م ۲۷۱ھ)، حافظ ابوبکر بن ابی خیثمہؒ (م ۲۷۹ھ)، حافظ محمد بن ایوب بن یحیی بن ضریسؒ (م ۲۹۴ھ) وغیرہ نے ان سے روایت لی ہے۔ (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمۃ: ج ۱: ص ۵۵، السفر الثانی، الاسامی والکنی لابی احمد الحاکم: ج ۳: ص ۳۴۷، المستدرک للحاکم: ج ۱: ص ۷۳۳، حدیث نمبر ۸۲۵، ت مقبل)،

اور حافظ عباس بن محمد الدوریؒ (م ۲۷۱ھ)، اپنے نزدیک، صرف ثقہ سے روایت لیتے تھے۔(سیر: ج ۱۲: ص ۵۲۳)، یعنی حافظ عباس بن محمد الدوریؒ (م ۲۷۱ھ) کے نزدیک وہ ثقہ ہیں۔

نیز ان کی غریب روایت کی تصحیح و تحسین، حافظ ابوالعباس، محمد بن یعقوب بن یوسف الاصم النیسابوریؒ (م ۳۴۶ھ) حافظ ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ)، امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ)، حافظ ضیاء الدین المقدسیؒ (م ۶۴۳ھ)، حافظ زکی الدین المنذریؒ (م ۶۵۶ھ)، حافظ ابن حزمؒ (م ۴۵۶ھ)، حافظ مغلطائیؒ (م ۷۶۲ھ) وغیرہ نے فرمائی ہیں۔

لہذا ابوالحسن، العلاء بن اسماعیل العطار، کم از کم صدوق ہیں۔

(۵)　حافظ حفص بن غیاثؒ (م ۱۹۵ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، فقیہ ہیں۔(تقریب: رقم ۱۴۳۰)،

نوٹ:

حفص بن غیاثؒ (م ۱۹۵ھ) مختلط نہیں ہوئے تھے۔(مرویات المختلطین فی الصحیحین للعیساری: ص ۱۹۲)،

(۶) عاصم بن سلیمان الاحول البصریؒ (م بعد ۱۴۰ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب: رقم ۳۰۶۰)،

(۷) حضرت انس بن مالکؓ (م بعد ۹۰ھ) مشہور صحابی و خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تقریب)،

**حکم:**

اس سند کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں، اور سند حسن ہے اور یہی وجہ ہے کہ

- ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے کہا: ''هذا إسناد صحيح على شرط الشيخين، ولا أعرف له علة ولم يخرجاه''۔

- حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کہا: ''على شرطهما ولا أعرف له علة''۔ (**المستدرک للحاکم مع تلخیص الذہبی: ج ۱: ص ۳۳۷، حدیث نمبر ۸۲۵، ت مقبل**)،

- حافظ ضیاء الدین المقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (**الاحادیث المختارۃ للمقدسی: ج ۶: ص ۲۹۴، حدیث نمبر ۲۳۱۰**)،

- حافظ ابن حزم الظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

- حافظ مغلطائیؒ (م ۷۶۲ھ) بھی اس حدیث کے تصحیح کے قائل ہیں، چنانچہ اس حدیث کے دفاع میں انہوں نے کہا:

''وعن أنس: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عليهِ وسَلَّمَ انْحطَّ بِالتَّكْبِيرِ فَسَبَقَتْ رُكْبَتَاهُ يَدَيْهِ. قال الدَّارَقُطْني: تفرد به العلاء بن إسماعيل العطار، وزعم النووي أن البيهقي أشار إلى ضعفه. انتهى.

الذي رأيت في كتابيه تفرد به العلاء <u>وهذا ليس يوجب ضعفًا للحديث فينظر</u>، وقال الحاكم: وهو صحيح على شرط الشيخين ولا أعرف له علة وصححه ابن حزم''۔ (التلويح إلى شرح الجامع الصحيح)،

- حافظ ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ) نے اس حدیث سے احتجاج کیا ہے اور کہا: ''لنا حديثان''۔ (**التحقیق فی مسائل الخلاف: ج ۱: ص ۳۸۸**)،

**اعتراض:**

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا: ''وخالفه عمر بن حفص بن غياث وهو من أثبت الناس في أبيه فرواه، عَن أبيه، عَن الأعمش عن إبراهيم عن علقمة، وَغيره عن عمر موقوفا عليه. وهذا هو المحفوظ, والله

أعلم''۔(لسان المیزان: ج۵:ص ۴۶۲)،

**الجواب:**

اولاً　　علماء حدیث کی ایک جماعت، مثلاً حافظ ابوالعباس، محمد بن یعقوب بن یوسف الاصم النیسابوریؒ (م ۳۴۶ھ)، حافظ ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ)، امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ)، حافظ ضیاء الدین المقدسیؒ (م ۶۴۳ھ)، حافظ ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ)، حافظ ابن حزمؒ (م ۴۵۶ھ)، حافظ مغلطائیؒ (م ۷۶۲ھ) وغیرہ نے اس حدیث کی تصحیح وتحسین فرمائی ہے۔

بلکہ حافظ ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ)، امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے تو یہاں تک کہہ دیا:

کہ ''ولا أعرف له علة''۔

ہم اس حدیث میں کوئی علت نہیں جانتے، جیسا کہ گزر چکا، لہذا یہ علت ان کے یہاں مضر نہیں ہے۔

دوم　　نیز اس حدیث کے راوی، حافظ ابوالعباس، محمد بن یعقوب بن یوسف الاصم النیسابوریؒ (م ۳۴۶ھ) نے بھی کہا:

''لم أر في مشايخي أحسن حديثا من عباس الدّوريّ''۔

میرے مشائخ میں عباس الدوریؒ سے زیادہ اچھی احادیث بیان کرنے والا، میں نے نہیں دیکھا۔(**تاریخ بغداد: ج۱۲:ص ۱۴۴، طبع علمیۃ**)،

یعنی یہ حدیث بھی ان کی نزدیک بھی حسن ہے۔

سوم　　یہ ثقہ کی زیادتی ہے، نہ کہ مخالفت، کیونکہ حفص بن غیاثؒ سے ابوالحسن، العلاء بن اسماعیل العطارؒ نے ''ایک اور زائد روایت''، نقل کی ہے، جس کے بارے میں دیگر حضرات خاموش ہیں، لہذا یہ زیادتی ہوئی، نہ کہ مخالفت، اور ابوالحسن، العلاء بن اسماعیل العطارؒ، کم از کم صدوق ہیں، نہ کہ مجہول اور ان سے ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے بھی روایت لی ہے، کئی ائمہ نے ان کی ضمنی توثیق کی ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

چہارم　　اگر بالفرض بعض ائمہ کی جرح مان بھی لی جائے، تو تب بھی ایک جماعت نے اس روایت کی تصحیح کی ہے، لہذا یہ

روایت مختلف فیہ ہوئی۔ جس کو کم از کم شواہد و متابع میں ضرور بیش کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ امام شہاب الدین ابن رسلان المقدسیؒ (م ۸۴۴ھ)، محدث عصرہ، امام خلیل احمد السہارنپوریؒ (م ۱۳۴۶ھ)، حافظ انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۳ھ) اور ان کی تلمیذ رشید، محدث شبہ القارۃ الہندیۃ، محدث ابوالماثر، حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ (م ۱۴۱۲ھ) وغیرہ نے کہا ہے۔ (شرح ابی داود: ج ۴: ص ۳۴۲، بذل المجہود: ج ۴: ص ۲۸۳، الروض المجود طبع مع مقالات ابوالمآثر: ج ۱: ص ۱۵۳)۔

بلکہ علامہ محمود خطاب السبکیؒ (م ۱۳۵۲ھ) نے کہا: ''لكن يقويه ما رواه الدارقطني والحاكم والبيهقي عن عاصم الأحول عن أنس قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم انحطّ بالتكبير حتى سبقت ركبتاه يديه''۔ (المنهل العذب المورود شرح سنن الإمام أبي داود: ج ۵: ص ۲۷۶)۔

لہذا اس روایت سے بھی شریکؒ کی روایت مزید قوی ہو جاتی ہے۔

**حدیث نمبر ''۴'':** [حضرت عمرؓ کا عمل]

ثقہ، ثبت، حافظ، امام ابو جعفر الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے کہا:

**حدثنا فهد بن سليمان قال: ثنا عمر بن حفص قال: ثنا أبي قال: ثنا الأعمش قال: حدثني إبراهيم عن أصحاب عبد الله علقمة والأسود, فقالا: حفظنا عن عمر في صلاته أنه خر بعد ركوعه على ركبتيه كما يخر البعير ووضع ركبتيه قبل يديه۔**

حضرت علقمہؒ و اسودؒ نے کہا: حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) رکوع کے بعد (سجدے میں جاتے ہوئے) اپنے گھٹنوں کے بل اس طرح گرتے تھے جیسے اونٹ گرتا ہے، اور اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے تھے۔ (شرح معانی الآثار: ج ۱: ص ۲۵۶، حدیث نمبر ۱۵۲۸، تہذیب الآثار للطبری، مسند ابن عباس: ج ۱: ص ۳۷۱، حدیث نمبر ۶۵۰)۔

**سند کی تحقیق:**

(۱) امام ابو جعفر الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ) کی ذاتِ گرامی، محتاج تعارف نہیں۔

(۲) فہد بن سلیمان الکوفی المصریؒ (م ۲۷۵ھ) بھی ثقہ، ثبت ہیں۔ (تاریخ الاسلام: ج ۶: ص ۵۸۸)۔

(۳) عمر بن حفص بن صبیحؒ (م ۲۵۰ھ) سنن ترمذی کے راوی اور صدوق ہیں۔ (تقریب: رقم ۴۸۷۷)۔

(۴) ان کے والدِ گرامی، حفص بن صبیح سے ایک جماعت نے روایت لی ہے۔(**الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی : ج ۳: ص ۱۷۵**)،

اور حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) اور حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے اپنی اپنی 'الثقات' میں شمار کیا ہے۔(**کتاب الثقات لابن حبان: ج ۶: ص ۱۹۹، کتاب الثقات للقاسم: ج ۳: ص ۴۶۴**)، اور حافظ نورالدین الہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔(**مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۳۱۶۸، مسند ابی یعلی الموصلی: ج ۷: ص ۱۷۹**)،

لہذا حفص بن صبیح کم از کم صدوق ہیں۔

نیز ان کے متابع میں حافظ ابو معاویہ الضرار، محمد بن خازم الکوفیؒ (م ۱۹۵ھ)، امام وکیع بن الجراحؒ (م ۱۹۷ھ)، حافظ یعلی بن عبید الطنافسیؒ (م ۲۰۹ھ) وغیرہ ثقات ہیں۔(**تہذیب الآثار للطبری، مسند ابن عباس: ج ۱: ص ۳۷۱، حدیث نمبر ۶۵۰، مصنف ابن ابی شیبۃ: حدیث نمبر ۲۷۱۸، ۲۷۱۹، مصنف عبدالرزاق: حدیث نمبر ۲۹۵۵**)،

لہذا یہاں پر حفص بن صبیح پر اعتراض ہی فضول ہے۔

(۵) امام سلیمان بن مہران الاعمشؒ (م ۱۴۸ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، حافظ ہیں۔(**تقریب: رقم ۲۶۱۵**)،

**نوٹ:**

امام الاعمشؒ (م ۱۴۸ھ) نے یہاں سماع کی صراحت کردی ہے، لہذا یہاں ان پر تدلیس کا الزام فضول ہے۔

(۶) ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، امام ہیں۔(**تقریب: رقم ۲۷۰، سیر**)،

**نوٹ:**

ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) کا 'عنعنہ'، ائمہ کے نزدیک مقبول ہے۔(**طبقات المدلسین لابن حجر: ص ۲۸**)،

(۷) اسود بن یزید النخعیؒ (م ۷۵ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، مکثر، فقیہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۵۰۹**)، اور ان کے متابع میں ثقہ، ثبت، امام علقمۃ بن قیس النخعیؒ (م بعد ۶۰ھ) موجود ہیں۔(**تقریب: رقم ۴۶۸۱**)،

(۸) عمر بن خطابؓ (م ۲۲ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ اور امیر المؤمنین وخلیفۃ الراشد ہیں۔(**تقریب**)

**حکم:**

اس روایت تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں اور سند حسن ہے اور یہی وجہ ہے کہ محدث عصرہ، امام ظفر احمد التھانویؒ

(م ۱۳۹۴ھ) اور محدث الہند، محمد بن علی ظہیر احسن شوق النیموی (م ۱۳۲۲ھ) نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔(اعلاء السنن: ج ۲: ص ۷۹۸)۔

**حدیث نمبر "۵":** [حضرت ابن مسعودؓ کا عمل]

ثقہ، ثبت، حافظ، امام ابوجعفر الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے کہا:

**حدثنا أبو بكرة، قال: ثنا أبو عمر الضرير، قال: أنا حماد بن سلمة، أن الحجاج بن أرطاة، أخبرهم قال: قال إبراهيم النخعي حفظ عن عبد الله بن مسعود، رضي الله عنه: أن ركبتيه، كانتا تقعان إلى الأرض قبل يديه۔**

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (م ۹۶ھ) نے کہا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بات محفوظ ہے کہ (نماز میں سجدہ کرتے وقت)، ان کے گھٹنے زمین پر ان کے ہاتھوں سے پہلے لگتے تھے۔(شرح معانی الآثار: ج ۱: ص ۲۵۶، حدیث نمبر ۱۵۲۹، تہذیب الآثار للطبری، مسند ابن عباس: ج ۱: ص ۳۱۷، حدیث نمبر ۶۵۰)۔

**سند کی تحقیق:**

(۱) امام ابوجعفر الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ) مشہور ثقہ، ثبت، حافظ ہیں۔(کتاب الثقات للقاسم: ج ۲: ص ۳۶)۔

(۲) ابوبکرۃ الثقفی، بکار بن قتیبہؒ (م ۲۷۰ھ) ثقہ ہیں۔(کتاب الثقات للقاسم: ج ۳: ص ۶۸)۔

(۳) حفص بن عمر، ابوعمر الضریر الاکبر البصریؒ (م ۲۲۰ھ) سنن ابی داود کے راوی اور صدوق، عالم ہیں۔(تقریب: رقم ۱۴۲۱)۔

(۴) حماد بن سلمۃ البصریؒ (م ۱۶۷ھ) صحیح مسلم و سنن اربع کے راوی اور ثقہ، عابد ہیں۔(تقریب: رقم ۱۴۹۹)۔

**نوٹ:**

حفص بن عمر، ابوعمر الضریر الاکبر البصریؒ (م ۲۲۰ھ) نے حمادؒ سے قبل تغیر حفظہ، سماع کیا ہے۔(**التراجم الساقطة من كتاب إكمال تهذيب الكمال لمغلطاي: ص ۲۴۷**)۔

(۵) حجاج بن ارطاۃ الکوفیؒ (م ۱۴۵ھ) صحیح مسلم و سنن اربع کے راوی اور صدوق، حسن الحدیث ہیں، جب کہ سماع کی

تصریح کرے۔(تحریر تقریب التہذیب: رقم ۱۱۱۹، اکمال تہذیب الکمال: ج ۳: ص ۳۸۶-۳۸۷)،

اور مشہور محدث عصرنا، محمد عبداللہ بن سعد السعد حفظہ اللہ نے کہا:

''حجاج بن أرطأة: فیہ ضعف یزول بالمتابعة''۔(شرح الموقظة: ص ۱۳۲)،

یہاں ان کا متابع موجود ہے،[۱]، لہذا اس روایت میں وہ صدوق، حسن الحدیث ہیں۔

(۶) ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، امام ہیں۔(تقریب: رقم ۲۷۰، سیر)

(۷) عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔(تقریب)،

**حکم:**

اس سند کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں اور یہ روایت مراسیل ابراہیم النخعیؒ میں سے ہے، جو کہ ائمہ حدیث کے نزدیک مقبول ہیں۔(مجلہ الاجماع: ش ۱۱: ص ۱)، غالباً یہی وجہ ہے کہ محدث ظفر احمد بن لطیف احمد العثمانی التھانویؒ (م ۱۳۹۴ھ) نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔(اعلاء السنن: ج ۲: ص ۷۹۶)،

**خلاصہ:**

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ، نماز میں سجدے میں جاتے وقت، زمین پر، پہلے گھٹنا رکھتے تھے اور ہاتھ رکھتے اور یہی سنت ہے، واللہ اعلم۔

---

(۱) حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) نے کہا: ''حدثنا أبو خالد الأحمر، عن الأعمش، عن عمارة، عن عبد الرحمن بن یزید، قال: کان عبد اللہ ینهض في الصلاة علی صدور قدمیه''۔(مصنف ابن ابی شیبة: ج ۳: ص ۳۳۰، حدیث نمبر ۴۰۰۱، ت عوامة، نیز دیکھئے مصنف عبدالرزاق: حدیث نمبر ۲۹۶۷)،

یہ روایت صحیح ہے اور اس سے حجاج بن ارطاةؒ (م ۱۴۵ھ) کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

# التحقيق البُرهانيّ

## في توثيق القاضي عمر بن الحسن الأُشْنانيّ۔

## قاضی، حافظ عمر بن الحسن الاشنانیؒ (م ۳۳۹ھ) صدوق ہیں۔

-مولانا نذیر الدین قاسمی

قاضی، حافظ الحدیث، ابوالحسین، عمر بن الحسن الاشنانیؒ (م ۳۳۹ھ) صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ چنانچہ

(۱) ابو علی الہروی المحدثؒ (م ۳۵۶ھ) نے کہا: ''صدوق''۔

- اس پر امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے کہا کہ

''إن أصحابنا ببغداد يتكلمون فيه''۔

بغداد کے ہمارے اصحاب، ان پر کلام کرتے ہیں۔

- ابو علی الہروی المحدثؒ (م ۳۵۶ھ) جواب میں کہتے ہیں کہ

''ما سمعنا أحداً يقول فيه أكثر من أنه كان لا يرى الإجازة سماعاً، <u>و كان لا يحدث إلا من أصوله</u>''۔

ہم نے کسی کو اس کے بارے میں، اس سے زیادہ کچھ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ بغیر سماع کے، روایتِ حدیث کی اجازت کے قائل نہیں تھے، اور وہ روایت کو اپنے اصول [یعنی کتابوں] سے بیان کرتے تھے۔

(۲) صدوق، حافظ، عادل، طلحہ بن محمد الشاہدؒ (م ۳۸۰ھ) نے کہا: ''كان من جِلَّة الناس، و من أصحاب الحديث المجوِّدين، و أحد الحفاظ، قد حدث حديثاً كثيراً، و حمل الناس عنه قديماً و حديثاً''۔

وہ بڑے جلیل القدر، لوگوں میں سے تھے، اور ماہر و پختہ حدیث بیان کرنے والوں میں شمار ہوتے تھے، نیز حفاظ میں سے تھے، انہوں نے بہت سی احادیث بیان کیں، اور لوگوں نے قدیم و جدید زمانے میں ان سے روایت حاصل کی۔

(۳)　حافظ ابوعلی، حسین بن علی بن یزید النیساپوریؒ (م ۳۴۹ھ) نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

- اس کے جواب میں امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) نے کہا کہ ''فقال: بئس ما قال شیخنا أبو علي، ثم ذكر أنه رأى بين يديه كتاباً وفيه وهم في الرواية، وقال: كان يكذب''۔ جس کا رد کرتے ہوئے۔

(۴)　حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے کہا: ''وقال الذهبي: لم يصح هذا'' حافظ ذہبیؒ نے کہا کہ امام دارقطنیؒ کا ان کو کذاب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

* اور شیخ، محدث محمد أمين الاوركزئي حفظہ اللہ نے بھی کہا:

''وظن هذا العبد الفقير انما حكاه الدار قطني ليس بصحيح۔

اور اس عاجز کا گمان یہ ہے کہ جس بات کو الدار قطني نے نقل کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ (**جامع المسانيد الامام ابی حنيفة :ص۱۱۹-۱۲۰، ت شیخ امین**)،

- اور پھر حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے ان کو ''الثقات'' میں شمار کیا ہے۔ (**کتاب الثقات للقاسم: ج۷: ص۲۷۵**)

(۵)　حافظ المشرق، امام خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) نے کہا:

''تحديث ابن الأشناني في حياة إبراهيم الحربي له فيه أعظم الفخر وأكبر الشرف، وفيه دليل على أنه كان في أعين الناس عظيما، ومحله كان عندهم جليلا''۔

إبراهيم الحربي کی زندگی میں ابن الاشنانی کا حدیث بیان کرنا، ان کے لیے بہت بڑے فخر اور عظیم شرف کی بات ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ، لوگوں کی نگاہ میں بڑا مقام رکھتے تھے، اور ان کے نزدیک اس کا مرتبہ نہایت بلند اور جلیل تھا۔ (**تاریخ بغداد: ج۱۱: ص۲۳۷**)،

* ایک اور جگہ حافظ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) نے دیگر کے مقابلے میں قاضی الاشنانیؒ (م ۳۳۹ھ) کی روایت کو ''محفوظ'' کہا۔ (**تاریخ بغداد: ج۱۰: ص۱۱۴**)،

لہذا ثابت ہوا کہ قاضی اشنانیؒ، خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) کے نزدیک بھی ثقہ ہیں۔

(۶)　حافظ ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ)،

(۷) اوران کے نواسے، حافظ سبط ابن الجوزیؒ (م ۶۵۴ھ)، دونوں اماموں نے کہا:

''وكان من جِلّة الناس، ومن أصحاب الحديث، والحُفّاظ المُجَوِّدين''۔

وہ بڑے جلیل القدر، لوگوں میں سے تھے، اور ماہر و پختہ، حدیث بیان کرنے والے حفاظ اور اصحاب الحدیث میں سے تھے۔ (المنتظم لابن الجوزی: ج ۱۳: ص ۲۱۰، مرآۃ الجمان لسبط ابن الجوزی: ج ۱۶: ص ۴۸۶)،

(۸) امام ابوالموید الخوارزمیؒ (م ۶۶۵ھ) کہتے ہیں کہ ''الإمام الحافظ القاضي''۔ (جامع المسانید للخوارزمی: ج ۱: ص ۹۱، ۵)،

(۹) حافظ ابن سید الناسؒ (م ۷۳۴ھ) نے کہا: ''وثقه بعضهم وتكلم فيه آخرون''۔ (النفح الشذی لابن سید الناس: ج ۴: ص ۳۱۲)، یعنی حسن الحدیث ہیں۔

(۱۰) حافظ ابن کثیر الدمشقیؒ (م ۷۷۴ھ) نے کہا: ''وكان من حفاظ الحديث وفقهاء الناس''۔ (البدایۃ والنہایۃ: ج ۱۴: ص ۸۴۵)،

(۱۱) حافظ ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ) نے بھی کہا: ''عمر بن الحسن شيخ الدارقطني وثقه بعضهم وتكلم فيه آخرون''۔ (البدر المنیر: ج ۳: ص ۵۶۳)،

(۱۲) علامہ عبدالرحمٰن المعلمیؒ (م ۱۳۸۶ھ) نے کہا: ''ولم ينكر عليه مما حدث به وسمعه الناس منه خبر واحد فلا أراه إلا قوياً''۔ (التنکیل: ج ۲: ص ۵۹۷)،

(۱۳) محدث ظفر احمد بن لطیف احمد التھانوی العثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ) نے کہا:

''قلت: هذا إسناد صحيح، أخرجه القاضي عمر بن الحسن الأشناني، عن علي بن محمد البزار، عن أحمد بن محمد بن خالد، عن زر بن نجيح، عن إبراهيم بن المهدي عن أبي جواب الأحوص بن جواب، عن سفيان الثوري، عن أبي حنيفة بسنده اهـ، قلت: القاضي عمر بن الحسن الأشناني روي عن ابن أبي الدنيا وغيره، ضعفه الدارقطني وغيره، وقال طلحة بن محمد: كان من جملة أصحاب الحديث المجودين وأحد الحفاظ، وقد حدث حديثا كثيرا، وحمل الناس عنه قديما وحديثا، وسئل عنه أبو علي الهروي الحافظ (شيخ الدارقطني) فقال: إنه صدوق، ملخصا من لسان الميزان''۔ (اعلاء السنن: ج ۲: ص ۷۸۸)،

(۱۴)　مشہور محقق، محدث عبد الرشید النعمانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے کہا:

حافظ طلحہ بن محمد ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''كان من جِلّة أصحاب الحديث المجوِّدين، وأحد الحفاظ، قد حدث حديثاً كثيراً، وحمل الناس عنه قديماً وحديثاً'' یہ بڑے پائے کے جلیل القدر محدثین اور حفاظ حدیث میں سے تھے، انہوں نے نہایت کثرت سے حدیث بیان کی اور لوگوں نے قدیم وجدید، ہر زمانے میں ان سے روایتیں کیں۔ اور حافظ ابو علی نے [جو دارقطنی اور حاکم کے شیخ تھے] ان کو ثقہ کہا، انہوں نے امام ابو حنیفہ کی جو مسند لکھی ہے، محدث خوارزمی نے اس سے جامع المسانید میں حدیث نقل کی ہیں۔ (مقدمہ مسند امام اعظم: ص م)

لہذا قاضی، حافظ عمر بن الحسن الاشنانیؒ (م ۳۳۹ھ) صدوق ہیں۔ واللہ اعلم

**حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کے اعتراض کا جواب:**

میزان الاعتدال میں ہے کہ

ضعفه الدارقطني، والحسن بن محمد الخلال، ويروي عن الدارقطني [أنه] كذاب، ولم يصح هذا، ولكن هذا الأشناني صاحب بلايا، فمن ذلك: قال الدارقطني: حدثنا عمر بن الحسن بن علي، حدثنا محمد بن هشام المروزى - هو ابن أبي الدميك - موثق، حدثنا محمد بن حبيب الجارودي، حدثنا سفيان بن عيينة، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ماء زمزم لما شرب له، إن شربت لتستشفى به شفاك الله، وإن شربت لتشبع أشبعك الله، وإن شربته لقطع ظمئك قطعه، وهى هزمة جبرائيل، وسقيا الله إسماعيل۔

وابن حبيب صدوق، فآفة هذا هو عمر، فلقد أثم الدارقطني بسكوته عنه، فإنه بهذا الإسناد باطل، ما رواه ابن عيينة قط۔ (ج ۳: ص ۱۸۵)،

**الجواب:**

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اس جرح کے جواب میں کہا: ''والذي يغلب على الظن أن المؤلف هو الذي أثم بتأثيمه الدارقطني فإن الأشناني لم ينفرد بهذا، بل تابعه عليه في مستدركه الحاكم، ولقد عجبت من

**قول المؤلف: ما رواه ابن عيينة قط , مع أنه رواه عنه الحميدي, وَابن أبي عمر وسعيد بن منصور, وَغيرهم من حفاظ أصحابه إلا أنهم وقفوه على مجاهد لم يذكروا ابن عباس فيه فغايته أن يكون محمد بن حبيب وهم في رفعه''۔**

میرے خیال میں یہاں مؤلف یعنی ذہبیؒ نے دارقطنی کی طرح ہی، [عمر بن الحسن الاشنانی پر طعن] کی غلطی کی ہے، کیونکہ الاشنانی، اس روایت میں منفرد نہیں تھے، بلکہ امام حاکم نے بھی اپنی ''مستدرک'' میں اس کی متابعت کی ہے اور مؤلف کے اس قول پر مجھے تعجب ہوا کہ ''ابن عیینہ نے یہ روایت کبھی بیان نہیں کی''، حالانکہ اس کو ابن عیینہ سے حمیدی، ابن ابی عمر، سعید بن منصور اوران کے دیگر حافظ شاگردوں نے روایت کیا ہے، مگر انہوں نے اسے مجاہد پر موقوف کر کے روایت کیا، ابن عباس کا اس میں ذکر نہیں کیا۔

اس کی زیادہ سے زیادہ صورت یہ ہے کہ محمد بن حبیب کو اس روایت کو مرفوع کرنے میں وہم ہوا۔ (**لسان المیز ان :ج٦:ص٩٧**)،

اسی طرح، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ)، ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ

**قال الذهبي فلقد اثم الدار قطني بسكوته عنه فانه بهذا الاسناد باطل ما رواه ابن عيينة قط، بل المعروف حديث جابر من رواية عبد الله بن المؤمل۔**

**قلت: بل اخشي ان يكون الذي اثم في هذا الكلام الذهبي فانه تكلم فيه فلم يصب و الدار قطن أجل من ان يقال في حقه هذا الكلام، فان عمر ابن الحسن لم ينفرد به حتى يلزم الدار قطني ان يشرح حاله وقد سلم الذهبي ثقة من بين عمر بن الحسن و بين ابن عيينة فلهذا انحصر القدح عنده في عمر و ليس آفة هذا الحديث من عمر على ما سنبينه۔**

**فقد رواه الحاكم في المستدرك قال حدثنا علي بن حمشاد المعدل، قال حدثنا محمد بن هشام به و قال هذا حديث صحيح الاسناد ان سلم من الجارودي، انتهى۔**

**فهذا كلام من عرف حاله هؤلاء الرجال فان علي بن حمشاد من الاثبات، و والده بفتح الحاء المهملة و سكون الميم بعدها شين معجمة و شيخه محمد بن هشام ثقه عنده و ان كان ابن القطان وتبع المنذري قالا: انه**

**لا يعرف، فقد عرف الحاكم مع ذلك فقد شذ في تصريحه برفع هذا الحديث و بوصله۔**

**قلت: و هو كما قال، الا انه انفرد عن ابن عيينة بوصل هذا الحديث و مثله اذا انفرد لا يحتج به، فكيف اذا خالف فقد رواه الحميدي و ابن ابي عمر و غيرهما من الحفاظ عن ابن عيينة عن ابن ابي نجيح عن مجاهد و هو ان كان مثله لا يقال بالراي فيكون في تقدير مالو قال مجاهد قال رسول الله صلى الله عليه و سلم فيكون مرسلا۔۔۔۔۔ هذا هو المعتمد و لا عبرة بمن يقول الحكم للواصل۔**

امام ذہبی نے کہا: دارقطنی اس روایت کے بارے میں خاموش رہ کر خطاء کار رہوئے، کیونکہ یہ سند باطل ہے، ابن عیینہ نے یہ روایت کبھی بیان نہیں کی، بلکہ اس سند سے معروف روایت جابرؓ کی ہے جو عبداللہ بن المؤمل کے طریق سے ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس معاملے میں خود ذہبی ہی خطا کار رہوئے، کیونکہ انہوں نے اس روایت پر بات کی مگر صحیح نہ کی۔ دارقطنیؒ، اس سے کہیں زیادہ جلیل القدر ہیں کہ ان کے بارے میں اس طرح کی بات کہی جائے۔

کیونکہ عمر بن الحسن اس روایت میں منفرد نہیں، یہاں تک کہ دارقطنی پر لازم ہوتا کہ اس کے حال کی تفصیل بیان کرتے، اور خود ذہبیؒ نے بھی عمر بن الحسن اور ابن عیینہ کے درمیان کے راوی کو ثقہ قرار دیا، اسی لیے انہوں نے صرف عمر (بن الحسن) پر جرح کی، حالانکہ اس حدیث کی علت عمر سے نہیں، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

چنانچہ امام حاکم نے اپنی مستدرک میں یہ روایت بیان کی اور کہا: ''**حدثنا علي بن حمشاد المعدل، قال حدثنا محمد بن هشام**'' کے طریق یہی روایت مرفوعاً بیان کی اور کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اگر جارودی کی علت سے محفوظ ہو۔

یہ ان لوگوں کی رائے ہے، جنہوں نے ان رجال کا حال جانا، کیونکہ علی بن حمشاد، ثقہ ہے، اور اس کا والد (یعنی حمشاد) کا نام (ح) پر فتح، (م) پر سکون اور اس کے بعد معجمہ (ش) ہے اور اس کے شیخ محمد بن شام کو امام حاکم نے ثقہ سمجھا، اگر چہ ابن القطان اور ان کی اتباع کرتے ہوئے منذری نے کہا کہ ''وہ معلوم نہیں''، مگر حاکم، اس کے حال سے واقف تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اس حدیث کو مرفوع متصل قرار دینے میں تفرد کیا اور ''شاذ'' والی بات کی۔

بات ویسی ہی ہے جیسے امام حاکمؒ نے کہی ہے، سوائے اس کے کہ اس [جارودی] نے ابن عیینہ سے اس حدیث کو متصل (مرفوع) بیان کرنے میں تنہا روایت کی، اور اس جیسا راوی جب تنہا روایت کرے، تو اس کی روایت سے حجت نہیں لی جاتی، تو پھر کیسے جب وہ دوسروں کے برخلاف بیان کرے، حجت لی جائے گی؟ کیونکہ اس حدیث کو حمیدی، ابن ابی عمر اور دیگر

حفاظ نے ابن عیینہ سے، ابن ابی نجیح کے واسطے سے، مجاہد تک موقوف روایت کیا ہے اور اگرچہ اس طرح کی بات رائے سے نہیں کہی جاتی، تو یہ ایسا ہے گویا مجاہد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یعنی یہ مرسل کے حکم میں ہے، یہی معتبر ہے اور اس روایت کو متصل بیان کرنے والوں کے قول کا اعتبار نہیں۔ (**طرق حدیث ماء زمزم لابن حجر: ص ۲۷-۳۰**)،

**نوٹ:**

اس پر شیخ الالبانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے کہا: ''**وأما تعجب الحافظ من الذهبي, فلست أراه في محله, لأن الذي أورده عليه من رواية الحميدي, غير وارد لأنه مقطوع, وإنكار الذهبي منصب على الحديث المرفوع الموصول, فهو الذي نفاه بقوله "ما رواه ابن عيينة قط'' ونفيه هذا لا يزال قائما, كما يدل عليه هذا البحث الدقيق**''۔

رہی بات حافظ کے ذہبی پر تعجب کی، تو میں اسے بجا نہیں سمجھتا، کیونکہ جس روایت کو حافظ نے حمیدی کے طریق سے پیش کیا، وہ قابلِ اعتراض نہیں، کیونکہ وہ مقطوع (یعنی موقوف) روایت ہے۔ اور ذہبی کا انکار حدیث کے مرفوع متصل طریق پر ہے، جس کو انہوں نے اپنے قول ''ابن عیینہ نے یہ روایت کبھی بیان نہیں کی'' سے نفی کیا، اور ان کی یہ نفی اب بھی برقرار ہے، جیسا کہ اس دقیق تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے۔ (**ارواء الغلیل: ج ۴: ص ۳۳۱-۳۳۲**)،

میں کہتا ہوں کہ شاید شیخ الالبانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) کے سامنے ''**طرق حدیث ماء زمزم لابن حجر**'' میں موجود، حافظ ذہبیؒ کی عبارت نہیں تھی، چنانچہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کہا: ''**فلقد اثم الدار قطني بسكوته عنه فانه بهذا الاسناد باطل ما رواه ابن عيينة قط، بل المعروف حديث جابر من رواية عبد الله بن المؤمل**''۔

ابن عیینہ نے یہ روایت کبھی بیان نہیں کی، بلکہ اس سند سے معروف روایت جابرؓ کی ہے جو عبداللہ بن المؤمل کے طریق سے ہے۔ (**طرق حدیث ماء زمزم لابن حجر: ص ۲۷-۲۸**)، یہ عبارت اس پر دال ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے مطلقاً، ابن عیینہؒ سے مروی مقطوع اور مرفوع دونوں کا انکار کیا ہے۔

نیز دارقطنی کی سند پر، حافظ ذہبیؒ نے قاضی اشنانی کی وجہ سے، کلام کیا ہے، مگر حاکم کی سند پر وہ محمد بن الحبیب الجارودی کی وجہ سے، کلام بلکہ ان کے متہم تک قرار دیتے ہیں، چنانچہ ''میزان'' میں وہ کہتے ہیں کہ

**محمد بن حبيب الجارودي عن سفيان بن عيينة. غمزه الحاكم النيسابوري أتى بخبر باطل اتهم**

بسنده۔ (میزان الاعتدال: ج ٣: ص ٥٠٨)،

لہذا اس روایت کے علت پر اختلاف ہونا بھی، قاضی اشنانی پر جرح کو کمزور بنا دیتا ہے، اور رہا کہ شیخ الالبانیؒ کا یہ کہنا کہ ''إن الحديث بالزيادة التى عند الدارقطنى موضوع. لتفرد هذا الأشناني به'' تو یہ بھی کوئی ایسا بات نہیں، جو قاضی اشنانی کے ضعف دلالت کرتی ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہیں:

چنانچہ امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م ٤٠٥ھ) نے کہا:

حدثنا علي بن حمشاذ العدل، ثنا أبو عبد الله محمد بن هشام المروزي، ثنا محمد بن حبيب الجارودي، ثنا سفيان بن عيينة، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، عن ابن عباس، رضي الله عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ماء زمزم لما شرب له، فإن شربته تستشفي به شفاك الله، وإن شربته مستعيذا عاذك الله، وإن شربته ليقطع ظمأك قطعه۔

قال: وكان ابن عباس إذا شرب ماء زمزم قال: اللهم أسألك علما نافعا، ورزقا واسعا، وشفاء من كل داء۔

هذا حديث صحيح الإسناد إن سلم من الجارودي، ولم يخرجاه۔ (المستدرک للحاکم: ج ١: ص ٦٤٦، حدیث نمبر ١٧٣٩)،

امام ابو الحسن الدارقطنیؒ (م ٣٨٥ھ) نے کہا:

ثنا عمر بن الحسن بن علي, ثنا محمد بن هشام بن عيسى المروزي, ثنا محمد بن حبيب الجارودي, نا سفيان بن عيينة, عن ابن أبي نجيح, عن مجاهد, عن ابن عباس, قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ماء زمزم لما شرب له, إن شربته تستشفي به شفاك الله, وإن شربته لشبعك أشبعك الله به, وإن شربته ليقطع ظمأك قطعه الله, وهي هزمة جبريل وسقيا الله إسماعيل۔ (سنن الدارقطنی: ج ٣: ص ٣٥٤، حدیث نمبر ٢٧٣٩)،

ثقہ، امام ابو الولید، محمد بن عبد اللہ الازرقیؒ (م ٢٥٠ھ) نے کہا:

حدثني جدي، قال: حدثنا سفيان بن عيينة، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، قال: ماء زمزم لما شرب له، إن شربته تريد شفاء شفاك الله، وإن شربته لظمأ أرواك الله، وإن شربته لجوع أشبعك الله، وهي هزمة جبريل

بعقبه و سقيا الله إسماعيل عليه السلام،

قال أبو الوليد: و الهزمة الغمرة بالعقب في الأرض، و قال زمزم: شقت من الهزمة ۔(اخبار امکۃ للازرقی: ج۲:ص۵۰)،

صدوق، امام ابوعبداللہ محمد بن اسحاق الفاکہیؒ (م۲۷۲ھ) نے کہا:

حدثنا محمد بن أبي عمر قال: ثنا سفيان، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد قال: "ماء زمزم لما شرب له، إن شربته تريد شفاء شفاك الله، و إن شربته لظمأ أرواك الله، و ربما قال: إن شربته يقطع عنك الظمأ أقطعه الله، و إن شربته لجوع أشبعك الله، قال: و هي برة، و هي هزمة جبريل عليه السلام بعقبه، و سقيا الله إسماعيل، و إنما سميت زمزم؛ لأنها مشتقة من الهزمة، و الهزمة: الغمزة بالعقب في الأرض ۔(اخبار مکۃ للفاکہی: ج۲:ص۸)،

صدوق، امام الحکیم الترمذیؒ (م۳۲۰ھ) نے کہا:

نا عبد الجبار، عن سفيان، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، قال: ماء زمزم لما شرب له، إن شربته لشبع، أشبعك الله، و إن شربته لظمأ أرواك الله، و إن شربته لشفاء، شفاك الله، و زمزم هزمة جبريل عليه السلام بعقبه، و هي سقيا الله إسماعيل، و زمزم اشتقت من الهزمة ۔(نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول صلى الله عليه و سلم - النسخة المسندة: ج۶:ص۱۲۲)،

غور فرمائیں! سنن الدارقطنی کی سند میں جو اضافہ ہے، وہی اضافہ مجاہد کی روایت میں بھی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ مجاہد کی روایت، بقول ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ) کے، مرسل، مرفوع حکمی ہے، لہذا دارقطنی کی روایت میں اس کا اضافہ ہونا کوئی مضر نہیں، کیونکہ یہ ایسا ہی ہے، جیسے الحاکمؒ کی سند میں موجود اضافہ کے، چنانچہ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ''و كان ابن عباس إذا شرب ماء زمزم قال: اللهم أسألك علما نافعا، و رزقا واسعا، و شفاء من كل داء'' کہ حضرت ابن عباسؓ جب زم زم کا پانی پیتے تو یہ دعاء پڑھتے ''اللهم أسألك علما نافعا، و رزقا واسعا، و شفاء من كل داء''، جیسا کہ گزر چکا۔

لہذا یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی راوی نے اختصار کی وجہ، المستدرک کی روایت میں ''و هي هزمة جبريل و سقيا الله إسماعيل'' کے الفاظ کو ذکر نہیں کیا، مگر چونکہ مجاہدؒ کی مرسل روایت میں اس کا ذکر ہے، تو اس کی وجہ سے، قاضی اشانیؒ پر کلام فضول ہے۔

کیونکہ روایت تو مجاہد کی مرسل ہے، یعنی قال مجاهد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، کما قال ابن حجر۔

لہذا محض ابن عباس کے اضافہ کی وجہ سے، جس میں قاضی اشنانی منفرد بھی نہیں ہے، ان پر کلام فضول اور بیکار ہے۔

امام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) کی جرح اور اس کا جواب:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا:

وقال أيضًا: دخلت عليه، يعني الأشناني - وبين يديه كتاب الشفعة فنظرت فإذا فيه، عَن عَبد العزيز بن معاوية، عَن أبي عاصم عن مالك، عَن الزُّهْرِيّ، عَن سعيد، وَأبي سلمة، عَن أبي هريرة. وبجنبه، عَن أبي إسماعيل الترمذي، عَن أبي صالح، عَن عَبد العزيز بن عبد الله الماجشون عن مالك به۔

وذلك أنه بلغه أن الماجشون جوده فتوهمه أنه عبد العزيز۔

فقلت له: قطع الله يد من كتب هذا ومن يحدث به, ما حدث به إسماعيل، وَلا أبو صالح، وَلا الماجشون فما زال يداريني حتى أخذه من يدي وانصرفت إلى المنزل فلما أصحبت دق غلامه الباب فخرجت إليه فما زال يتلافى ذلك بأنواع من البر.

ورأيت في كتابه: عن أحمد بن سعيد الحمال عن قبيصة عن الثوري عن عُبَيد الله بن عمر عن نافع، عَنِ ابن عمر رضي الله عنهما: نهى عن بيع الولاء وعن هبته. وكان يكذب۔ (لسان المیزان: ج۶: ص۷۹-۸۰)

الجواب:

امام الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) کا، ان کی "۲" روایتوں کی وجہ سے، ان کو کذاب کہنا مرجوح ہے، کیونکہ ان دونوں روایت میں، ان کی متابعات کی گئی ہے اور یہ دلائل، ان کے کذب پر صریح نہیں ہے، چنانچہ موصوف نے کہا:

ورأيت في كتابه: عن أحمد بن سعيد الحمال عن قبيصة عن الثوري عن عُبَيد الله بن عمر عن نافع، عَنِ ابن عمر رضي الله عنهما: نهى عن بيع الولاء وعن هبته۔

مگر یہی روایت اسی سند کے ساتھ، ثقہ، حافظ ابوبکر ابن المقرئؒ (م ۳۸۱ھ) نے ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

حدثنا أبو عبد الله محمد بن حامد الحناط الرازي، ثنا أبو حاتم، ثنا قبيصة، ثنا سفيان، عن عبيد الله، عن

نافع، عن ابن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الولاء، وعن هبته۔ (معجم ابن المقری: ص ۱۲۲-۱۲۳، حدیث نمبر ۳۲۱، نیز ص ۳۷۳، حدیث نمبر ۱۲۳۵)،

لہذا جب قاضی اشنانیؒ کا متابع موجود ہے، تو ان پر کلام ہی فضول ہے۔

ایک اور روایت، امام حاکمؒ نے یوں ذکر کی کہ

وقال أيضًا: دخلت عليه، يعني الأشناني - وبين يديه كتاب الشفعة فنظرت فإذا فيه، عَن عَبد العزيز بن معاوية، عَن أبي عاصم عن مالك، عَن الزُّهرِيّ، عَن سعيد، وَأبي سلمة، عَن أبي هريرة۔ [۱]

وبجنبه، عَن أبي إسماعيل الترمذي، عَن أبي صالح، عَن عَبد العزيز بن عبد الله الماجشون عن مالك به۔

وذلك أنه بلغه أن الماجشون جوده فتوهمه أنه عبد العزيز۔

فقلت له: قطع الله يد من كتب هذا ومن يحدث به، ما حدث به إسماعيل، وَلا أبو صالح، وَلا الماجشون فما زال يداريني حتى أخذه من يدي وانصرفت إلى المنزل فلما أصبحت دق غلامه الباب فخرجت إليه فما زال يتلافى ذلك بأنواع من البر۔

میں اس (یعنی الاشنانی) کے پاس گیا، اس کے سامنے کتاب الشفعۃ تھی۔ میں نے دیکھا تو اس میں یہ روایت درج تھی: عبدالعزیز بن معاویہ، ابو عاصم سے، مالک سے، الزہری سے، سعید اور ابو سلمہ سے، وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ایک اور سند لکھی تھی: ابو اسماعیل ترمذی، ابو صالح سے، عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشون سے، مالک کے واسطے سے (وہی روایت)۔

یہ اس وجہ سے تھا کہ اس کو خبر پہنچی کہ الماجشون نے اس روایت کو عمدہ بیان کیا، تو وہم میں اس نے سمجھ لیا کہ وہ عبدالعزیز ہے۔

---

(۱) یہ روایت، اسی سند کے معجم ابن الاعرابی میں موجود ہے، چنانچہ حافظ ابو سعید، ابن الاعرابیؒ (م ۳۴۰ھ) نے کہا: ''نا عبد العزيز، نا أبو عاصم، نا مالك، عن الزهري، عن أبي سلمة، وسعيد بن المسيب، عن أبي هريرة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا وقعت الحدود فلا شفعة''۔ (معجم ابن الاعرابی: ج ۳: ص ۹۹۷، حدیث نمبر ۲۱۲۷)،

میں نے اس سے کہا: اللہ اس شخص کا ہاتھ کاٹ دے جس نے یہ لکھا اور جو اس کو روایت کرے! نہ تو اسماعیل نے یہ روایت کی، نہ ابو صالح نے، نہ الماجشون نے! تو وہ مجھے بہلانے کی کوشش کرتا رہا، حتیٰ کہ اس نے کتاب میرے ہاتھ سے لے لی اور میں اپنے گھر چلا آیا۔ جب صبح ہوئی تو اس کا غلام میرے دروازے پر آیا، میں باہر نکلا، تو وہ اس معاملے کی تلافی مختلف طریقوں سے کرنے لگا۔ (لسان المیزان: ج۶: ص۷۹-۸۰)،

اس جرح کے جواب میں محدث العصر، شیخ عبدالرحمٰن المعلمیؒ (م ۱۳۸۶ھ) نے تفصیل سے فرمایا:

فأما حديث الشفعة فهو في (الموطأ) مرسل، ورواه أبو عاصم الضحاك بن مخلد والماجشون عبد الملك بن عبد العزيز بن عبد الله عن مالك فوصلاه بذكر أبي هريرة،

وفي تلك الحكاية أنه رئي في كتاب الأشناني من طريق أبي عاصم فعرف ذلك ولم ينكر، ورئي إلى جنبه عن أبي إسماعيل الترمذي عن أبي صالح عن عبد العزيز بن عبد الله الماجشون عن مالك، فاستنكر هذا، وحدس المستنكر أن ابن الأشناني بلغه أن الماجشون وافق أبا عاصم في تجويده أي وصله فظن أن الماجشون هذا هو عبد العزيز فركب السند إليه۔

والجواب أنه قد روى غيره هذا الحديث عن أبي إسماعيل الترمذي عن يحيى بن عبد الرحمن بن أبي قتيلة عن مالك فذكره موصولاً كما في (سنن البيهقي) ج6ص103،

فمن المحتمل أن يكون ابن الأشناني سمع هذا من الترمذي في جملة ما سمع، ولم يكتبه أو كتبه ولم يهتد إلى موضعه من كتبه وبقي عالقاً بذهنه أنه سمع الحديث من الترمذي من الطريق أخرى غير طريق أبي عاصم فلما بلغه أن الماجشون رواه موصولاً ظن أنه عبد العزيز وكان قد سمع من الترمذي عن أبي صالح عن عبد العزيز أحاديث، فحدث هذا الحديث منها فكتبه كذلك ليتذكره ثم يبحث في أصوله لعله يجده ولم يكن من نيته أن يرويه قبل أن يجده في أصوله، فقد تقدم أنه كان لا يحدث إلا من أصوله۔

وليس في هذا ما يغمز به عل أنه لو كان كتبه في بعض مسوداته وهو يعلم بطلانه فإنه لا يلزمه اسم الكذب حتى يحدث به، وإذا علم بأن من عادته أن لا يحدث إلا من أصوله فقد علم أنه لم يكن يريد أن يحدث بذلك الذي كتبه فكانت كتابته له ضرباً من العبث۔

رہی حدیثِ شُفعہ تو وہ موطا میں مرسل روایت ہے، اور ابو عاصم (ضحاک بن مخلد) اور ماجشون (عبدالملک بن عبدالعزیز بن عبداللہ) نے مالک سے اس کو روایت کیا اور اسے ابو ہریرہ کا ذکر کر کے متصل بیان کیا۔ اس حکایت میں آیا کہ یہ روایت ابو عاصم کے طریق سے الاشنانی کی کتاب میں دیکھی گئی، چنانچہ اس (ابو عاصم والے) سند کو پہچانا گیا اور انکار نہیں کیا گیا۔

اور اس کے ساتھ یہ سند بھی دیکھی گئی: ابو اسماعیل ترمذی، ابو صالح، عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشون، مالک کے واسطے سے، تو اس پر تعجب کیا گیا۔

اور تعجب کرنے والے نے گمان کیا کہ الاشنانی کو خبر ملی کہ الماجشون نے بھی اس روایت کو عمدہ بیان کیا، یعنی اس کو بھی متصل (موصول) بیان کیا، تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ الماجشون، عبدالعزیز ہے، اور اس سند کو اسی پر قائم کر دیا۔

لیکن جواب یہ ہے کہ ابو اسماعیل ترمذی سے یحییٰ بن عبدالرحمن بن ابی قتیلہ کے طریق سے بھی اس حدیث کو مالک سے متصل بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ سنن بیہقی (ج ٦: ص ۱۰۳) میں موجود ہے۔ پس یہ بھی ممکن ہے کہ الاشنانی نے یہ روایت ابو اسماعیل ترمذی سے سنی ہو، مگر اس نے اسے اپنی کتاب میں نہ لکھا ہو، یا لکھا مگر اس کے اصل مقام تک اس کی رہنمائی نہ ہوئی، اور اس کے ذہن میں یہ بات رہ گئی کہ اس نے یہ روایت ابو اسماعیل ترمذی سے سنی تھی کسی اور سند سے ابو عاصم کی روایت کے علاوہ۔

پس جب اسے خبر ملی کہ الماجشون نے اس کو متصل روایت کیا، تو اس نے سمجھا کہ وہ عبدالعزیز (بن عبداللہ) ہے، کیونکہ وہ ابو اسماعیل ترمذی سے ابو صالح، عبدالعزیز کے واسطے سے دیگر احادیث سنتا رہا تھا، تو گمان کیا کہ یہ حدیث بھی انہی میں سے ہے، اس لیے اسے ایسے ہی لکھ دیا تاکہ بعد میں اصل کتابوں میں تلاش کرے۔

<u>**اور اس کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ اصل ملنے سے پہلے اس حدیث کو روایت کرے، کیونکہ پہلے ذکر ہو چکا کہ وہ صرف اپنی اصل کتابوں سے روایت کرتا تھا۔**</u> پس اس میں کوئی الزام کی بات نہیں، کیونکہ اگر اس نے اسے کسی مسودے میں لکھا بھی ہو جبکہ اس کی صحت سے واقف نہ ہو، تو اسے جھوٹا نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ اس کو روایت نہ کرے۔ اور جب معلوم ہے کہ اس کی عادت تھی کہ اصل کتاب سے روایت کیے بغیر حدیث بیان نہیں کرتا، تو واضح ہے کہ اس نے یہ (عبارت) روایت کے ارادے سے نہیں لکھی، بلکہ یہ گویا ایک طرح کی نوٹ یا عبث نوشت تھی۔ (**التنکیل: ج ۲: ص ۵۹۵**)،

اخیر میں وہ کہتے ہیں کہ ''أقول: ولم ینکر علیه مما حدث به و سمعه الناس منه خبر واحد فلا أراه إلا قویاً. والله أعلم''۔

میں [علامہ معلمیؒ (م ۱۳۸۶ھ)] کہتا ہوں کہ اس کی کوئی ایک ایسی روایت نہیں ہے، جس کو اس نے بیان کیا اور لوگوں نے اس کو سنا اور اس روایت پر نکیر کی ہو، لہذا میں اسے [اشنانی کو] قوی ہی سمجھتا ہوں۔ (التنکیل: ج ۲: ص ۵۹۷)،

الغرض علامہ معلمیؒ (م ۱۳۸۶ھ) کے، اس جامع جواب اور قاضی، حافظ عمر بن الحسن الاشنانیؒ (م ۳۳۹ھ) کی توثیق کے بعد، اب کوئی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے، اور کم از کم صدوق، حافظ الحدیث ہیں، واللہ اعلم۔

## حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ)، جرح وتعدیل کے میزان میں۔

-مولانا نذیر الدین قاسمی

صاحب مسند ابی حنیفۃ، حافظ ابو محمد، عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاریؒ (م ۳۴۰ھ) کی توثیق وثناء درج ذیل ہیں:

(۱) حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) کے نزدیک آپؒ ثقہ یا صدوق ہیں۔(الکامل لابن عدی: ج۱:ص ۴۹۲، ۷۹)

(۲) امام أبو بکر محمد بن الفضل الکاغدیؒ (م ۳۸۱ھ) نے کہا: ''الشيخ الفقيه الحافظ''۔(بغية الطلب: ج۱۰: ص ۴۳۴۹)،

(۳) حافظ ابو بکر محمد بن ابی اسحاق البخاریؒ (م ۳۸۴ھ) نے کہا: ''الشيخ، الإمام، الفقيه''۔(بحر الفوائد المشهور بمغاني الأخبار: ص ۶۰، ۲۸۶)،

(۴) حافظ ابو عبد اللہ ابن مندۃؒ (م ۳۹۵ھ) ''وكان حسن الرأى فيه'' حارثیؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔(تاریخ الاسلام: ج۷: ص ۷۳۷)،

- اور کہا کہ ''الامام الحافظ الفقيه''۔(مسند امام اعظم للحارثی بتحقیق البهرائجی: ج۱: ص ۱۲۰، ۱۱۲)،

(۵) خطیب، امام الموفق بن احمد المکیؒ (م ۵۶۳ھ) نے کہا: ''الامام الاستاذ'' اور ان کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔(مناقب ابی حنیفۃ للموفق: ص ۱۴۵، ۲۱۰)،

(۶) حافظ ابو المؤید الخوارزمیؒ (م ۶۶۵ھ) نے کہا: ''الشيخ الامام الحافظ أبو محمد عبد الله بن محمد بن يعقوب ابن الحارث الحارثي البخاري الأستاذ رحمه الله رحمةً واسعةً''۔(جامع المسانید للخوارزمی: ج۱: ص ۴، ۲۳۶)،

- اور کہا کہ ''من طالع مسنده الذي جمعه للإمام أبي حنيفة علم تبحره في علم الحديث وإحاطته بمعرفة

الطرق والمتون"۔(جامع المسانید للخوارزمی: ج ۲: ص ۵۲۵)،

(۷)　حافظ ابن عبدالہادیؒ (م ۷۴۴ھ) نے کہا: "محدِّث ماوراء النَّهر العلَّامة"۔(طبقات علماء الحدیث: ج ۳: ص ۴۷)

(۸)　حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کہا:

"الفقيه، عالم ماوراء النهر ومحدثه، الإمام العلامة، صنّف التصانيف"۔

"الشّيخ الإمام الفقيه العلّامة المحدّث, عالم ماوراء النّهر"۔

"كَانَ كبير الشّأن كثير الحديث، إمامًا فِي الفقه وكان محدثاً جوّالاً، رأسا في الفقه"۔(تذكرة الحفاظ: ج ۲: ص ۱۳۵، ج ۳: ص ۴۹، سیر: ج ۱۵: ص ۴۲۵، تاریخ ال إسلام: ج ۷: ص ۷۳۷، العبر: ج ۲: ص ۶۰)،

اورانہوں نے حافظ الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) کو "تذکرۃ الحفاظ" میں بھی شمار کیا ہے۔(ج ۳: ص ۴۹)

- 　نیز حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کی اپنی رائے میں بھی حافظ الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) میں کوئی حرج نہیں ہے۔(تذہیب تہذیب الکمال: ج ۹: ص ۲۲۲، ج ۱: ص ۱۱۰)،

(۹)　امام صلاح الدین الصفدیؒ (م ۷۶۴ھ) نے کہا:

"عبد الله بن محمّد بن يعقوب بن الْحارث بن خليل أبو محمّد الكلاباذي البخارِي الْفَقِيه شيخ الْفقيه الْحنفيّة بما وراء النّهر يعرف بِعَبْد الله الأستاذ كان كبير الشّأن كثير الحديث إماما فِي الْفِقْه"۔(الوافي بالوفيات: ج ۱۷: ص ۲۶۱)،

(۱۰)　حافظ عبدالقادر قریشیؒ (۷۷۵ھ) نے کہا:

"الحافظ الفقيه الاستاذ"۔(الجواہر المضیۃ: ج ۱: ص ۲۴۹، ۳۲۶)، اوران پر موجود جرح کا جواب بھی دیا۔

(۱۱)　امام محمود بن احمد القونویؒ (م ۷۷۷ھ) نے کہا:

"الشيخ، الامام، العلامة"۔(مخطوطة المعتمد فی احادیث المسند للقونوی: ص ۱)،

(۱۲)　امام ابراہیم بن محمد الشہیر بابن دقماقؒ (م ۸۰۹ھ) نے بھی ان پر موجود جرح کا جواب بھی دیا۔(نظم الجمان فی طبقات اصحاب امامنا النعمان: ج ۳: ص ۲۱۷، طبع دار ابن حزم)،

(۱۳)　امیر المؤمنین فی الحدیث، حافظ ابن حجر العسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے ابو محمد عبد اللہ الحارثیؒ کی روایت کے بارے میں فرمایا:

**''لیس فی الاسناد من ینظر فی حالہ۔۔۔۔''**

کہ اسکی سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے، جس کا حال قابلِ نظر ہو۔ **(موافقۃ الخبر لابن حجر: ج ۲: ص ۱۱۱)**

ثابت ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کے نزدیک حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ) ثقہ ہیں۔

- ایک اور مقام پر حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا: **''الفقیہ، شیخ الحنفیۃ، الحافظ''۔ (تبصیر المنتبہ: ج ۳: ص ۱۲۲۳، لسان المیزان: ج ۹: ص ۱۵۹)**،

(۱۴)　مشہور صدوق، محدث، امام بدر الدین العینیؒ (م ۸۵۵ھ) نے ان کو ''الثقات'' میں شمار کیا ہے، اور چنانچہ انہوں نے کہا: **''وقع في مسند أبي حنيفة مثل ما رواه ابن عدي، ولكن عدي وآخرون تكلموا فيه بسبب يحيى بن عتبة، ولما علمنا من يحيى بن عتبة، لأن أصحابنا رووا هذا في كتبهم وهم ثقات''۔ (البنایۃ: ج ۷: ص ۲۳۶، نیز دیکھئے ج ۱۰: ص ۲۱۱)**،

(۱۵)　مشہور محدث، فقیہ، امام کمال الدین ابن الہمامؒ (م ۸۶۱ھ) نے بھی کہا: **''الإمام الحافظ''۔ (فتح القدیر: ج ۲: ص ۱۱)**،

(۱۶)　حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے بھی ان کی توثیق کو راجح قرار دیا ہے۔ **(تاج التراجم: ص ۱۷۵-۱۷۶)**،

(۱۷)　حافظ محمد بن یوسف الصالحی الدمشقیؒ (م ۹۴۲ھ) کے نزدیک بھی وہ ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث ہیں۔ **(عقود الجمان: ص ۶۹، نیز دیکھئے مجلہ الاجماع: ش ۱۶: ص ۲۶)**،

(۱۸)　مشہور فقیہ، محدث، ابن حجر الہیتمیؒ (م ۹۷۴ھ) نے کہا:

**الحافظ ابو محمد أحد الائمة الحنفية ولد سنة ثمان وخمسين ومئتين، كان مكثرا في الحديث والرحلة اليه وصل الى العراق والحجاز وممن روى عنه الحافظ الكبير ابن مندة، مات سنة اربعين ثلاثمائة، ولما املي مناقب الامام ابي حنيفة كان يستملي عليه أربعمائة مستمل، وخرج المسند المذكور فجزاه الله خيرا ورضي الله عنه۔ (الاجازة البالغة للهيتمي بتحقيق حسين حسن كريم: ص ۳۷۰)**،

(۱۹) صدوق، مؤرخ، امام ابوالقاسم شرف الدین بن عبدالعلیم القربتی الیمنیؒ (م بعد ۷۴۹ھ) اپنی کتاب ''قلائد عقود الدرر و العقیان فی مناقب الإمام أبی حنیفة النعمان'' کے مقدمہ میں ''العلماء الثقات'' میں حافظ ابومحمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) کو شمار کیا ہے۔(مخطوطة قلائد عقود الدرر و العقیان فی مناقب الإمام أبی حنیفة النعمان: فو لیو نمبر ۳-۲، رقم ۹۰۰/۱۶۴ ، مکتبة عارف حکمة بالمدینة المنورة، نیز دیکھئے مجلہ الاجماع: ش ۱۵: ص ۴۸)،

(۲۰) فقیہ علاء الدین علی بن امر اللہ المعروف بابن الحنائیؒ (م ۹۷۹ھ) نے کہا:

''له تصانیف مقبولة متداولة''۔(طبقات الحنفیة: ج ۲: ص ۱۲، بتحقیق محی ہلال، طبع بغداد)

(۲۱) فاضل، امام محمود بن سلیمان الکفویؒ (م ۹۹۰ھ) نے کہا:

''الشیخ الامام الاستاذ''۔(کتائب اعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار: ج ۱: ص ۳۶۱، طبع دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲۲) امام تقی الدین الغزیؒ (م ۱۰۱۰ھ) نے کہا:

''بالجملة فقد کان عبد اللہ إماما کبیرا فی الفقه، و الحدیث، من أعلام الأئمّة بما وراء النّهر. رحمه اللہ تعالی''۔(الطبقات السنیة للغزی: ج ۴: ص ۲۳۷)،

(۲۳) علامہ حاجی خلیفہؒ (م ۱۰۶۷ھ) کہتے ہیں:

''کان إمامًا کبیرًا في الفقه و الحدیث، من أعلام الأئمة بما وراء النَهر، و کان مکثرًا''۔(سلم الوصول: ج ۲: ص ۲۲۹)

(۲۴) امام ابن العمادؒ (م ۱۰۸۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

''العلّامة، أبو محمد، عبد الله بن محمد بن یعقوب بن الحارث البخاري الفقیه، شیخ الحنفیة بما وراء النهر، و یعرف بعبد الله الأستاذ، و کان محدّثا، جوّالا، رأسا في الفقه''۔(شذرات الذهب: ج ۴: ص ۲۱۹)،

(۲۵) مشہور محقق، محدث محمد حسن السنبھلیؒ (م ۱۳۰۵ھ) نے کہا: ''أشهرها مسند الحارثي و مسند ابن خسرو و طائفة من هؤلاء الجامعین لمسند أبی حنیفة حفاظ ثقات''۔

ان (مسانید ابی حنیفۃ) میں سب سے مشہور مسند الحارثی، مسند ابن خسرو اور ان جیسے دیگر حضرات کی ایک جماعت

ہے جو امام ابو حنیفہ کی مسند کو جمع کرنے والے ہیں، یہ سب ثقہ حفاظ ہیں۔ (**تنسیق النظام فی مسند الامام** بحوالہ معارف السنن: ج ۲: ص ۲۷۵)،

(۲۶) حافظ انور شاہ الکشمیریؒ (م ۱۳۵۳ھ) نے کہا:

''**الحارثی حافظ بلاریب، ولکن تالیفه غیر منقدة، قد احتج الحافظ ابن حجر فی تهذیب التهذیب بالحارثی فی تعیین راوٍ مبهم وهو ابن عبدالله بن مغفل، قال فی التهذیب: قیل اسمه یزید، قلت: ثبت کذلک فی مسند ابی حنیفة للبخاری، فالحاصل أنه عندي من رواة الحسان**''۔

ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ)، بلاشبہ حافظ تھے، لیکن ان کی تالیف، **غیر منقدة** (یعنی ترتیب وتنقید سے خالی) تھیں، البتہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب **تهذیب التهذیب** میں ایک مبہم راوی کی تعیین کے سلسلے میں ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) پر اعتماد کیا ہے، اور وہ راوی ابن عبداللہ بن مغفلؓ ہے۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب میں کہا: کہا گیا ہے کہ اس کا نام یزید ہے، پھر خود کہا: میں کہتا ہوں: اسی طرح **مسند أبي حنیفة للبخاري** میں بھی اس کا نام یزید ہی آیا ہے، تو حاصل یہ ہے کہ میرے نزدیک ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ)، حسن درجہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ (**العرف الشذی**: ج ۱: ص ۲۳۱، **معارف السنن**: ج ۲: ص ۲۷۵)،

(۲۷) مشہور محقق، استاذ محمد زاہد الکوثریؒ (م ۱۳۷۱ھ) نے کہا: ''**له مناقب أبی حنیفة وله مسند أبی حنیفة ایضاً اکثر جدا من سوق طرق الحدیث، وقد أکثر ابن مندة الروایة عنه، وکان حسن الرأی فیه، وقد کلم فیه أناس بتعصب، واکبر مایرمونه به اکثاره من الروایة عن النجیرمی أباء بن جعفر فی مسند أبی حنیفة، ولم ینتبهوا الی ان روایته عنه لیس فی أحادیث ینفرد هو بها بل فیما له مشارک فیه، کما فعل مثل الترمذی فی محمد بن سعید المصلوب والکلبی**''۔

ان (حافظ حارثیؒ) کی کتاب مناقب ابی حنیفہ ہے، اور ان کے پاس مسند ابی حنیفہ بھی ہے، جو حدیث کے طرق (سندوں) کے بیان میں بہت زیادہ ہے، ابن مندہؒ نے ان سے بہت زیادہ روایت کی ہے اور ان کے بارے میں اچھا گمان رکھا ہے، البتہ بعض لوگوں نے ان پر تعصب کی بنا پر کلام کیا ہے، اور ان پر سب سے بڑی جو تہمت لگائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے نجیرمی ابا بن جعفر سے مسند ابی حنیفہ میں بکثرت روایت کی ہے۔

لیکن (ان لوگوں نے) اس بات پر توجہ نہیں دی کہ ان کی روایتیں ایسی احادیث میں نہیں ہیں جن میں وہ (نجیرمی) تنہا ہو، بلکہ وہ ایسی روایتوں میں ہیں جن میں اس کے ساتھ اور راوی بھی شریک ہیں، یہی طریقہ امام ترمذیؒ نے محمد بن سعید المصلوب اور کلبی کے بارے میں اپنایا تھا۔**(معارف السنن: ج۲: ص۲۷۶)**،

(۲۸)　مشہور محدث، امام ظفر احمد بن لطیف احمد العثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ) نے کہا:

**''وقد عرفت اعتناء المحدثين بالمسند الذي جمعه هو، وهذا دليل كونه محتجا به عندهم، فلاعبرة بالجرح الذي صدر عن بعض المحدثين فيه''۔**

اور تم جان چکے ہو کہ محدثین نے اس مسند پر خاص توجہ دی ہے، جسے اس (راوی) نے جمع کیا تھا، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ **وہ ان (محدثین) کے نزدیک قابلِ احتجاج تھے۔**

لہٰذا جو جرح بعض محدثین کی طرف سے اس کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔**(اعلاء السنن: ج۹: ص۴۳۱۴)**،

(۲۹)　محدث محمد یوسف بن زکریا البنوریؒ (م ۱۳۹۷ھ) نے کہا:

**''وهذا هو الأستاذ الحافظ الفقيه الامام ابو محمد الحارثى البخارى الكلاباذى السبذمونى الذى تقدم ذكره آنفاً، وبالجملة هو من رواة الحسان عندي''۔**

اور یہ ہیں استاذ، حافظ، فقیہ، امام ابو محمد الحارثی البخاری الکلاباذی السبذمونی، جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور مجموعی طور پر، وہ میرے نزدیک حسن درجہ کے راویوں میں سے ہیں۔**(معارف السنن: ج۲: ص۲۷۵)**،

(۳۰)　عالم اسلام کے مشہور مؤلف، محدث، محقق عبد الفتاح ابوغدۃؒ (م ۱۴۱۷ھ) نے کہا:

**والحارثي امام حافظ مشهور۔(القواعد في علوم الحديث: ص۳۰۰)**،

(۳۱)　مشہور محقق، محدث، علامہ سید رضا احمد بجنوریؒ (م ۱۴۱۸ھ) نے کہا:

امام حارثیؒ، محدث، جلیل القدر، فقیہ تھے، شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ انتباہ میں آپ کو اصحاب وجوہ میں شمار کیا ہے، جن کا درجہ منتسب اور مجتہد فی المذہب کے درمیان ہے، مشہور تصانیف میں ایک تو مسند امام اعظم ہے، جس میں آپ نے بڑی کثرت سے طرقِ حدیث کے جمع کیے ہیں، محدث ابن مندۃ نے بھی اس سے بکثرت روایات لی ہیں اور ان کی

رائے آپ کے بارے میں بہت اچھی تھی، کچھ لوگوں نے آپ پر تعصب سے کلام کیا ہے اور بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ آپ نے ،ابان بن جعفر سے مسند امام ابوحنیفہ میں روایت کی ہے اور اس امر کو نظر انداز کر دیا، جن حدیث میں ان سے روایت لی ہیں، ان کی روایت میں وہ منفرد نہیں ہے، بلکہ ان روایات میں دوسرے بھی شریک ہیں، یہ ایسا ہی ہے جس طرح امام ترمذی نے بھی محمد بن سعید مصلوب اور کلبی کے بارے میں کیا ہے۔(**انوار الباری: ج۱: ص ۲۸۳**)،

(۳۲)　شیخ، محقق **محمد أمين الاوركزئي حفظه الله** نے کہا:

**والذي يتخلص عندي عباراتهم انهم تكلموا فيه بما تكلموا الما وقع في روايته من الافراد والمناكير، ولكن هذا ليس بموضع الاستنكار، فقلما تجد حافظا مكثرا من حفاظ الحديث الا وجدت عنده شيئا كثيرا من الغرائب والمناكير في روايته بل الموضوعات ايضا، فالجرح بمثل ذلك اعتساف بعيد عن الانصاف۔**

میرے نزدیک ان (محدثین) کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اس راوی پر جو کچھ کہا، وہ اس وجہ سے کہا کہ اس کی روایت میں کچھ انفرادی روایتیں اور منکر احادیث پائی جاتی ہیں، لیکن یہ کوئی قابلِ انکار بات نہیں، کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی کثرتِ روایت والا حافظ حدیث ایسا ملے گا، جس کی روایت میں بہت سی غریب (انفرادی) اور منکر روایتیں نہ ہوں، بلکہ بعض اوقات موضوع (من گھڑت) روایات بھی آجاتی ہیں، لہٰذا ایسی چیزوں کی بنیاد پر جرح کرنا انصاف سے بہت دور کی بات ہے۔(**مسانید الامام ابی حنیفۃ، ت أمین: ص ۱۰۶**)،

لہذا حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) کم از کم صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ واللہ اعلم

**<u>جروحات کا جواب:</u>**

- امام ابوبکر البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ

**قال: لنا أبو عبد الله: فسمعت أبا أحمد الحافظ يقول: كان عبد الله بن محمد بن يعقوب الأستاذ يشبج الحديث قال: ولست أرتاب فيما ذكره أبو أحمد من حاله فقد رأيت في حديثه عن الثقات من الأحاديث الموضوعة ما يطول بذكره الكتاب وليس يخفى حاله على أهل الصنعة قال: وأرى جماعة من المتروكين يلتجئون في هذه المناكير والموضوعات إلى الحسن بن سهل البصري عن قطن بن صالح الدمشقي ولم**

يخرج لنا حديثهما عن الثقات فكنا نقف على حالهما ثم ذكر شيخنا أبو عبد الله من منكرات حديثهما ما يستدل به على حالهما في الجرح, وقد ذكر من جمع في هذه المسألة أخبارا رواية عبد الله بن محمد وذكرها أيضا عن أحمد بن محمد بن ياسين عن الحسن بن سهل وهي إن سلمت من عبد الله الأستاذ فلن تسلم من الحسن بن سهل فآثار الوضع ظاهرة على رواياته, والله المستعان۔ (القراءۃ خلف الامام للبیہقی: ص۱۷۹)

- میزان الاعتدال میں ہے کہ

قال ابن الجوزي: قال أبو سعيد الرواس: يتهم بوضع الحديث۔

وقال أحمد السليماني: كان يضع هذا الإسناد على هذا المتن وهذا المتن على هذا الإسناد وهذا ضرب من الوضع۔

وقال حمزة السهمي: سألت أبا زرعة أحمد بن الحسين الرازي عنه فقال: ضعيف۔

وقال الحاكم: هو صاحب عجائب وأفراد عن الثقات سكتوا عنه۔

وقال الخطيب: لاَ يُحْتَجُّ به۔

وقال الخليلي: يعرف بالأستاذ له معرفة بهذا الشأن وهو لين ضعفوه۔ (ج۲: ص۴۹۶)،

- قال أبو زرعة أحمد بن الحسين الرازي: ضعيف، ثم قال: حدثنا عبد الله بن محمد بن يعقوب الحارثي ببخاری قال ثنا داود بن أبي العوام نا الحارث بن مسلم ثنا الهيثم بن حكيم عن حسان عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طالب العلم من الجهال كالحي بين الأموات۔ (سؤالات حمزة بن يوسف السهمي: رقم ۳۱۸)،

**الجواب:**

اولاً حافظ ابو احمد الحاکم الکبیرؒ (م ۳۷۸ھ) اگر چہ مشہور ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث ہیں، لیکن آخیر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ (تاریخ الاسلام: ج۸: ص۴۶۰)، اور امام ابو عبد اللہ الحاکم الصغیر صاحب المستدرک (م ۴۰۵ھ) نے ان سے سماع کب کیا، اس کی تصریح نہیں ملی۔

لہذا استدلال غیر صحیح ہے۔

دوم امام ابوعبداللہ الحاکم الصغیر، صاحب المستدرک (م۴۰۵ھ) کے الفاظ میں تصریح ہے کہ حافظ ابومحمد الحارثیؒ (م۳۴۰ھ) نے موضوعات ''روایت'' کی ہے۔لیکن ان کے احادیث کو وضع کرنے کی تصریح، امام ابوعبداللہ الحاکم الصغیر (م۴۰۵ھ) کی عبارت میں نہیں ہے۔

لہذا ان کا کلام، حافظ حارثیؒ (م۳۴۰ھ) کے صدوق ہونے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ ان کی عبارت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حافظ حارثی نے موضوع حدیث روایت کی ہے اور موضوع حدیث نقل کرنے سے، ناقل پر جرح صحیح نہیں ہوتی، نیز دیکھئے **مجلہ الاجماع: ش ۲: ص ۹۹۔**

سوم امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ''**وذكرها أيضا عن أحمد بن محمد بن ياسين عن الحسن بن سهل وهي إن سلمت من عبد الله الأستاذ فلن تسلم من الحسن بن سهل۔۔۔**'' اس خاص روایت میں حافظ ابومحمد الحارثیؒ (م۳۴۰ھ) منفرد نہیں ہیں۔لہذا ان پر جرح بھی کمزور معلوم ہوتی ہے۔

نیز جس حدیث کے تحت، امام صاحبؒ نے حافظ حارثیؒ (م۳۴۰ھ) پر کلام کیا ہے، وہ یہ ہے:

**أخبرنا أبو عبد الله الحافظ, قال: وقد رووا هذا الخبر بإسناد موضوع لشعبة عن قتادة عن أنس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم, حدثني أخونا أبو نصر البخاري بنيسابور نا عبد الله بن محمد بن يعقوب نا الحسن بن سهل البصري ببلخ ثنا قطن بن صالح نا شعبة عن قتادة, عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة۔**

غور فرمائیں! اس سند میں قطن بن صالح موجود ہے، جن پر کلام موجود ہے۔(**التذییل علی کتب الجرح والتعدیل: ج۱: ص۲۴۶-۲۴۷**)، لہذا جب سند میں پہلے سے ہی کلام موجود ہے اور حافظ حارثیؒ کا متابع بھی موجود ہے، تو کس بنیاد پر، ان پر کلام کیا جا سکتا ہے۔

چہارم ابوسعید الرواسؒ، نہ جرح وتعدیل کے ائمہ میں سے ہیں اور نہ ہی ان کی کسی نے توثیق کی ہے۔

**پنجم** حافظ ابوزرعۃ الصغیرؒ (م ۳۷۵ھ) کی پیش کردہ روایت "**طالب العلم من الجهال كالحي بين الأموات**" کے نکارت کے ذمہ دار، حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ) نہیں ہیں، کیونکہ اس سند میں حارث بن مسلم، ہیثم بن حکیم اور حسان کا تعین مطلوب ہے، نیز اگر حسان سے مراد، حسان بن ابی سنان البصریؒ ہے، (**تہذیب التہذیب: ج ۲: ص ۲۴۹**)، تو ان کا سماع، حضرت انسؓ سے نامعلوم ہے۔

لہذا جب سند کا یہ حال ہے، تو اس روایت ذمہ دار، حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ) کو بتانا صحیح نہیں ہے۔

اس بات سے انکار نہیں، حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) نے منکر روایات نقل کی ہے، جیسا کہ دیگر ائمہ محدثین مثلاً امام ابن ماجہؒ (م ۲۷۳ھ)، امام ابوالقاسم الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ)، حافظ ابونعیم الاصبہانیؒ (م ۴۳۰ھ) وغیرہ نقل کرتے ہیں، مگر ان روایات میں ذم اور نکارت کی وجہ، دیگر راوی ہوتے ہیں، نہ کہ خود یہ ائمہ، بالکل اسی طرح، حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) کی نقل شدہ منکر روایات میں ان کے شیوخ وغیرہ نکارت کے ذمہ دار ہیں، نہ کہ حافظ ابو محمد الحارثیؒ۔

**ششم** عام طور سے اصحاب الحدیث، اصحاب الرائ کے سلسلے میں متشدد و متعنت تھے۔(**مجلہ الاجماع: ش ۱۸: ص ۳۲**) اور پھر حافظ ابواحمد الحاکم الکبیرؒ (م ۳۷۸ھ)، امام ابوعبداللہ الحاکم الصغیر صاحب المستدرک (م ۴۰۵ھ)، حافظ المشرق، خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ)، حافظ ابوالفضل السلیمانیؒ (م ۴۰۴ھ) وغیرہ حضرات، متشدد و متعنت تھے۔(**بحث عن العلماء المتشددين و المتساهلين و المعتدلين للشيخ عمرو العدوی، المنتظم لابن الجوزی: ج ۱۶: ص ۱۳۳، الروض الباسم: ج ۱: ص ۲۴۹**)،

لہذا اصحاب الرائ کے سلسلے میں ان حضرات کی جرح مقبول نہیں ہے، خاص طور سے جبکہ دیگر ائمہ محدثین ان کی توثیق کر چکے ہیں۔

**ہفتم** ائمہ احناف نے بھی ان کے مجروح ہونے کی نفی کی ہے، چنانچہ حافظ عبدالقادر القرشیؒ (م ۷۷۵ھ)، امام ابراہیم بن محمد الشہیر بابن دقماقؒ (م ۸۰۹ھ)، حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م ۸۷۹ھ)، فاضل، امام تقی الدین الغزیؒ (م ۱۰۱۰ھ) وغیرہ نے ان پر موجود جروحات کا رد کیا ہے۔(**الجواهر المضیۃ: ج ۱: ص ۲۹۰، نظم الجمان فی طبقات اصحاب امامنا النعمان: ج ۳: ص**

**۲۱۷، طبع دار ابن حزم، تاج التراجم للقاسم: ص ۱۷۶، الطبقات السنية للغزی: ج ۴: ص ۲۳۷)،**

لہذا راجح قول میں وہ صدوق، حسن الحدیث ہیں۔

# امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)، امام المشرق والمغرب ہیں۔

-مولانا نذیر الدین قاسمی

صدوق، حسن الحدیث، حافظ ابومحمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) نے کہا:

**حدثنا الحارث بن أسد الاسداباذي قال سمعت معروف بن الحسن يقول سمعت خلاط بن يحيى يقول ابو حنيفة رضي الله عنه امام المشرق و المغرب فمن لم يقر بامامته فقد بخس حق نفسه۔**

امام ابوحنیفہؒ مشرق ومغرب کے امام ہیں، پس جو شخص ان کی امامت کا اقرار نہ کرے، وہ درحقیقت اپنی ہی قدر کو گھٹا رہا ہے۔ (**کتاب کشف الآثار الشریفۃ للحارثی: ج ۱: ص ۶۳**)،

<u>سند کی تحقیق:</u>

(۱)　حافظ ابومحمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) مشہور صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ (**دیکھئے: ص ۳۲**)،

(۲)　الحارث بن أسد بن الحارث، ابو اللیث الاسداباذی السمرقندیؒ سے حافظ ابومحمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) اور ابوصالح، جبریل بن یعقوبؒ نے روایت لی ہے۔ (**مسند الامام ابی حنیفۃ للحارثی: ج ۱: ص ۳۸۱، کشف الآثار الشریفۃ: ج ۲: ص ۱۰۲، ص ۳۷۶**)،

اور حافظ علاء الدین مغلطائیؒ (م ۷۶۱ھ) نے ان کو "شیخ" قرار دیا ہے، جو کہ ان کے صدوق ہونے کے لئے کافی ہے، خاص طور سے جب کہ دیگر ائمہ میں سے، کسی نے بھی ان پر جرح نہیں کی۔ (**اکمال تہذیب الکمال: ج ۳: ص ۲۷۸**)،

(۳)　معروف بن الحسن، ابو بشر الھمدانیؒ بھی صدوق ہیں۔ (**تیسیر الودود بتراجم رجال منتقی ابن الجارود: ص ۳۴۰**)،

(۴)　خلاط بن یحییؒ (م ۲۱۳ھ) صحیح بخاری وغیرہ کے راوی اور صدوق ہیں۔ (**تقریب: رقم ۱۷۶۶**)،

<u>حکم:</u>

اس سند کے تمام رواۃ صدوق ہیں اور سند حسن ہے۔

اور معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)، امام المشرق والمغرب ہیں۔

# ثقہ، ثبت، حافظ علی بن الجعد کے نزدیک، امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)، امام ثوریؒ، امام شعبہؒ کی احادیث کے درمیان، حاکم کی حیثیت رکھتے تھے۔

## -مولانا نذیر الدین قاسمی

صدوق، حسن الحدیث، حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) نے کہا:

**سمعت ابا سهيل سهل بن بشر قال سمعت سعدان من اهل راميثنية يقول: قال علي بن الجعد الجوهري: إذا إختلف شعبة و سفيان في حديث، فانظر ما قال أبو حنيفة في أحدهما، فخذ به، لمعرفته بالسنة۔**

علی بن الجعد نے کہا: جب شعبہ اور سفیان کسی حدیث میں اختلاف کریں، تو دیکھو کہ امام ابو حنیفہؒ، ان دونوں میں سے کس کو ترجیح دیتے ہیں، پھر اسی کو اختیار کرو؛ کیونکہ وہ حدیث کے بارے میں گہری مہارت اور حافظہ رکھتے ہے۔ (**کتاب کشف الآثار الشریفۃ للحارثی: ج ۲: ص ۷۴**)۔

<u>**سند کی تحقیق:**</u>

(۱) حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) مشہور صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ (**دیکھئے: ص ۳۲**)۔

(۲) ابو سہیل، سہل بن بشر الکندی البخاریؒ سے ایک جماعت مثلا حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ)، ابو الفضل، عبید اللہ بن محمد بن یعقوب البخاریؒ (م ۳۳۳ھ)، ابو عبد اللہ، محمد بن موسی الخیاط البخاریؒ، ابو اسحاق، ابراہیم بن محمد بن احمد بن ہشام ؒ (م ۳۴۶ھ)، ابو الحسن، علی بن ابراہیم بن عقار الطغامیؒ (م ۳۴۷ھ)، ابو بکر محمد بن حامد بن حمدویہ البخاریؒ (م ۳۳۳ھ)، ابو عبد اللہ، محمد بن الحسن بن نصر بن باباجؒ (م ۳۴۴ھ) وغیرہ نے روایت لی ہے۔ (**الاکمال لابن ماکولا: ج ۳: ص ۱۷۸، ۲۷۴، ج ۴: ۲۴۶، ج ۶: ص ۲۲۲، ج ۷: ص ۳۰۶، کتاب الانساب للسمعانی: ج ۱: ص ۱۶۲**)۔

اور ان پر کسی کی جرح نہیں ملی، نیز حافظ ابو سعد السمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) نے ان کو کبارِ شیوخ میں شمار کیا ہے۔ (**الانساب: ج ۱: ص ۱۶۲**)۔

لہذا وہ صدوق ہیں۔

(۳)　سعدان کا تعین نہ ہو سکا، مگر علی بن الجعد (م ۲۳۰ھ) سے ایک اور طریق میں، امام صاحبؒ کی حدیث میں تعریف و ثنا مروی ہے، لہذا یہاں سعدان کا عدم تعین ہونا، مضر نہیں۔

(۴)　علی بن الجعدؒ (م ۲۳۰ھ) صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ، ثبت ہیں۔ (تقریب: رقم ۴۶۹۸)۔

**حکم:**

اس روایت کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں، سوائے سعدان کے اور ان کا تعین نہ ہو سکا، مگر علی بن الجعد الجوہری (م ۲۳۰ھ) سے ایک اور طریق میں، امام صاحبؒ کی حدیث میں تعریف وثناء مروی ہے، چنانچہ حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ) ہی کہتے ہیں کہ

**حدثنا القاسم بن عباد بن محمد الترمذي، حدثنا علي ابن الجعد الجوهري، حدثنا أبو يوسف، ح وأخبرنا محمد بن الحسن البزاز البلخي، حدثنا بشر بن الوليد، حدثنا أبو يوسف، ح وأخبرنا أحمد بن محمد بن سعيد، حدثنا محمد بن سعد العوفي، حدثني أبي، حدثنا أبو يوسف، ح وأخبرنا أحمد بن محمد، حدثنا عبد الله بن محمد بن إسماعيل الدولابي قال: في كتاب جدي: أنبأ أبو يوسف، عن أبي حنيفة، عن الهيثم، عن أم ثور، عن ابن عباس أنه قال: لا بأس أن تصل المرأة شعرها بالصوف، إنما نهى بالشعر۔**

**زاد القاسم بن عباد في حديثه: قال: قال علي بن الجعد: أبو حنيفة إذا جاء بالحديث جاء بمثل الدر۔**

قاسم بن عباد الترمذیؒ کہتے ہیں کہ حافظ علی بن الجعد نے کہا: امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)، جب کوئی بیان کرتے، تو موتی کی طرح، صاف وشفاف بیان کرتے۔ (**مسند الامام ابی حنیفۃ ج ۲: ص ۷۲۳ - ۷۲۴**)۔

**نوٹ:**

ابومحمد، قاسم بن عباد بن محمد الترمذیؒ سے ائمہ کی ایک جماعت نے روایت لی ہے۔ (**الانتقاء لابن عبدالبر**)، اور اور ان پر کسی کی جرح نہیں ملی اور یہ، امام ابوالقاسم الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) کے استاذ بھی ہیں، کیونکہ دونوں کی شیوخ میں محمد بن عبدالعزیز بن ابی رزمۃ آتے ہیں اور دونوں کنیت ابومحمد ہے۔ (**الانتقاء لابن عبدالبر: ص ۱۳۸، ارشاد القاصی والدانی: ص ۴۶۸، نیز دیکھئے مسند الامام ابی حنیفۃ للحارثی: ج ۲: ص ۸۸۳، ۹۱۳**)۔

لہذا وہ صدوق ہیں۔

**خلاصہ:**

چونکہ صدوق راوی، ابو محمد، قاسم بن عباد بن محمد الترمذیؒ، سعدان کے متابع میں موجود ہے، لہذا یہاں کا عدم تعین ہونا مضر نہیں اور ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) علی بن الجعدؒ کے نزدیک، حدیث میں موتی کی طرح صاف وشفاف ہیں اور سفیان الثوریؒ، شعبہؒ کی احادیث میں، اپنے معرفت، گہرائی، مہارت، حافظہ کی وجہ سے، حاکم کی حیثیت رکھتے تھے۔

# ثقہ، حجت، امام حافظ ابونعیمؒ (م ۲۱۹ھ) کہتے ہیں:
# امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی امامت کا جھنڈا، پوری دنیا میں بلند ہے۔

**-مولانا نذیر الدین قاسمی**

صدوق، حسن الحدیث، حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) نے کہا:

**حدثنا أبو نصر محمد بن محمد بن سلام البلخي قال سمعت نصير بن يحيى يقول سمعت أبا نعيم يقول: لو ارتفع رأية ابي حنيفة في الآخرة كما ارتفعت في الدنيا لفاز في الدراين جميعا قال و سمعت أبا نعيم يقول: كان الناس ينقادون لابي حنيفة شاؤوا أو أبوا و كانت الزحمة لا تنقطع من مسجده و من باب داره عامة النهار و بعض الليل۔**

حافظ ابونعیم، الفضل بن دکینؒ (م ۲۱۹ھ) نے کہا: اگر آخرت میں امام ابوحنیفہؒ کی امامت کا جھنڈا، اسی طرح بلند ہو جائے جیسے دنیا میں بلند ہوا تھا، تو وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو جائیں گے اور راوی نے ابونعیم کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا: لوگ ابوحنیفہؒ کے تابع ہو جاتے تھے، چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے، ان کی مسجد اور گھر کے دروازے پر، دن کے بیشتر حصے اور کچھ رات تک بھی ہجوم ختم نہیں ہوتا تھا۔ (**کتاب کشف الآثار الشریفۃ للحارثی: ج ۱: ص ۳۱۷**)،

<u>**سند کی تحقیق:**</u>

(۱)　حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) مشہور صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ (**دیکھئے: ص ۳۲**)،

(۲)　امام ابونصر، محمد بن سلام البلخیؒ (م ۳۰۵ھ)، صدوق، فقیہ ہیں۔ (**الجواہر المضیۃ: ج ۲: ص ۲۶۸، ۶۰، مسند الامام ابی حنیفۃ للحارثی: ج ۲: ص ۵۷۳**)،

(۳)　نصیر بن یحیی یا نصر بن یحییؒ (م ۲۶۸ھ) بھی صدوق ہیں۔ (**الروضۃ الرَیا فی تخریج أحادیث و آثار فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ للشیخ زکریا: ص ۶۷۵-۶۷۶**)،

(۴)　ابونعیم، الفضل بن دکینؒ (م ۲۱۹ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، ثبت، امام ہیں۔ (**تقریب: رقم ۵۴۰۱**)،

**حکم:**

اس کے تمام رواۃ ثقہ یا صدوق ہیں اور سند حسن ہے، واللہ اعلم۔

اور ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی عظمت و امامت کا جھنڈا، پوری دنیا میں بلند ہے، والحمد للہ۔

# ائمہ محدثین وائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک،

# امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کا ''حافظ''، جید اور مضبوط تھا۔[قسط ۳]

**-مولانا نذیر الدین قاسمی حفظہ اللہ**

ائمہ محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک، ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث، امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کا ''حافظ''، جید اور مضبوط تھا، چنانچہ اقوال درج ذیل ہیں:

(۱)　ثقہ، حافظ، امام قبیصۃ بن عقبۃ السوائیؒ (م ۲۱۵ھ) فرماتے ہیں کہ

**''کان ابو حنیفة رحمة علیه فی اول امره یجادل اهل الاهواء حتی صار راسا فی ذلک منظورا الیه ثم ترک الجدال ورجع الی الفقه و السنة فصار اماماً فیه''۔**

امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) شروع میں اہل بدعت سے مناظرے کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اس میں آپ مشہور قائد بن گئے، پھر آپ نے بحث مباحثہ ترک فرمادیا اور فقہ اور حدیث کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس میں امام ہو گئے۔(**کشف الآثار الشریفة: ج۱: ص ۳۶۵**)

یعنی امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) حدیث کے امام تھے، جو کہ ان کے ضابط ہونے پر دلالت کرتا ہے۔(**فتح المغیث: ج۲: ص ۱۱۷، نیز دیکھئے الوسیط فی علوم ومصطلح الحدیث لابی شہبۃ: ص ۴۰۸**)،

(۲)　ثقہ، ثبت، امام مکی بن ابراہیمؒ (م ۲۱۵ھ) فرماتے ہیں کہ

**''کان أبو حنیفة تقیا زاهدا عالما راغباً فی الآخرة صدوق اللسان أحفظ اهل زمانه''۔**

امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) متقی تھے، زاہد اور عالم تھے، آخرت کی طرف راغب تھے، صدوق تھے، اپنے زمانہ میں

سب سے زیادہ حافظ والے تھے۔(مناقب للمکی :ص ۱۹۰،طبع بیروت،تذہیب تہذیب الکمال:ج۹:ص ۲۲۱)،

(۳) امام ابونعیم ،فضل بن دکینؒ (م ۲۱۹ھ) فرماتے ہیں کہ

''لو إرتفع رأية ابي حنيفة في الآخرة كما ارتفعت في الدنيا، لفاز فى الدراين جميعا''۔

اگر آخرت میں امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)، کی امامت کا جھنڈا، اسی طرح بلند ہو جائے، جیسے دنیا میں بلند ہوا تھا، تو وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔(کتاب کشف الآثار الشریفۃ للحارثی:ج۱:ص ۳۱۷)،

(۴) امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ

''رحم الله أبا حنيفة كان إماما''۔

اللہ امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) پر رحم کریں، وہ امام تھے۔(الانتقاء لابن عبدالبر:ص ۳۲)،

(۵) صاحب المستدرک، امام ابوعبداللہ الحاکم الصغیرؒ (م ۴۰۵ھ) نے امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کو ''الأئمة الثقات المشهورين من التابعين و أتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ، و المذاكرة، و التبرك بهم، و بذكرهم من المشرق إلى الغرب'' میں ذکر کیا ہے۔(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم:ص ۲۴۰،۲۴۵)،

غور فرمائیں! یہاں، امام صاحب المستدرک، امام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے بھی امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی تعریف فرمائی ہے، والحمدللہ۔

(۶) ثقہ، ثبت، حافظ علی بن الجعد (م ۲۳۰ھ) نے کہا:

''إذا إختلف شعبة و سفيان في حديث، فانظر ما قال أبو حنيفة في أحدهما، فخذ به، لمعرفته بالسنة''۔

جب شعبہؒ (م ۱۶۰ھ) اور سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ)، کسی حدیث میں اختلاف کریں، تو دیکھو کہ امام ابوحنیفہؒ، ان دونوں میں سے کس کو ترجیح دیتے ہیں، پھر اسی کو اختیار کرو؛ کیونکہ وہ حدیث کے بارے میں گہری مہارت اور حافظہ رکھتے

ہیں۔(کتاب کشف الآثار الشریفۃ للحارثی: ج ۲: ص ۴۷، نیز دیکھئے ۴۳)،

لہذا ثابت ہوا کہ ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک، ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث، امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کا ''حافظہ''، جیداور مضبوط تھا، لہذا البعض الناس کا، ان کے حافظہ کو کمزور وضعیف قرار دینا، مرجوح ومطروح ہے، واللہ اعلم۔

یادداشت